جلد 20 شمارہ 9 ماہ ستمبر 2018ء محرم الحرام 1440ھ

## ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کرکے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران وسرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود بخاری 0300-7374750

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے
سالانہ فنڈ -/300 روپے

## اس شمارے میں

# توحیدی فقیروں کے سامنے عظیم مشن

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

برادران حلقہ! آپ کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے اس کو معمولی کام نہ سمجھئے۔ یہ کام لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کا کام ہے اور ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر مقابلہ کرتا ہے اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ اچھی طرح یاد رکھیے کہ آپ کو صرف عقائد ہی کی اصلاح نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان بے ہودہ وفرسودہ رسوم کو بھی مٹانا ہے جو ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں۔ ہوا یہ ہے کہ ہمارے آباؤاجداد کو مسلمان بنانے والے علماء اور صوفیاء نے اسلامی عقائد و عبادات تو سکھا دیئے لیکن ان رسوم کو مٹانے کی مطلق کوشش نہیں کی جو ان میں کفر و جہالت کے زمانہ میں رائج تھیں اور ہزاروں خاندانوں میں آج تک جاری ہیں۔ دراصل رسوم کو مٹانا غلط مذہبی عقائد کی اصلاح سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رسوم کی والہ وشیدا اور ان کو تقدس کے درجے تک ماننے والی زیادہ تر عورتیں ہوتی ہیں۔ عورتوں کی بھاری اکثریت جاہل اور طبعاً ضدی ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی اپنے آباؤاجداد کی رسوم کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتیں۔ ان کو سمجھانا اور ان رسوم کی برائیاں ان کے دل و دماغ میں بٹھا دینا بہت ہی مشکل کام ہے اور یہ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا اور سکھا رکھا ہے کہ اصلاح کے کام میں زور، ظلم اور زبردستی سے کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی بلکہ کامیابی خدا کے بتائے ہوئے طریقے یعنی حکمت اور حسن تدبیر و نصیحت ہی سے ہوتی ہے اور سو فیصدی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عوام بلکہ اچھے اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ حضرات بھی اس فرمودۂ خدا پر عمل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اصلاح کرنے کے لیے تو ایک اعلیٰ کردار اور مخصوص صفات رکھنے والے انسانوں کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ کو انہی لائنوں پر تعلیم و تربیت دی ہے اور

ہمارے حلقہ کے کافی آدمی اسی کردار کے مالک اور ان صفات اعلیٰ سے موصوف ہیں۔

اصلاح کا کام بلکہ کوئی بھی بڑا کام ہو اُس کے کرنے کے لیے سب سے پہلی چیز سچی اور پرخلوص طلب ہے۔طلب کے بغیر عمل کی قوت ہی پیدا نہیں ہوتی۔طلب پیدا ہونے کے لیے علم درکار ہے۔جب تک آپ کو علم نہیں ہوگا تو طلب کس طرح پیدا ہوسکتی ہے۔آپ کو مسلمانوں کے باطل عقائد اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح کرنا ہے تو سب سے پہلے آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صحیح اسلامی عقائد کیا ہیں جن کی ترویج جاہل مسلمانوں میں کرنا ہے اور یہ بات آپ کو صرف قرآن سے معلوم ہوسکتی ہے۔اس لیے سب سے پہلے آپ کو قرآن (ترجمہ) پڑھنا چاہیے اور پھر جب صحیح عقائد معلوم ہو جائیں تو خود اپنی اصلاح کرنا اور پھر دوسروں کی اصلاح کے لیے قدم اٹھانا چاہیے۔قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں بڑا وقت لگتا ہے اس لیے اگر کسی ایسے آدمی کا پتہ لگے جس نے قرآن کا مطالعہ کر کے صحیح عقائد معلوم کر لیے ہیں اور خود ان پر عمل پیرا بھی ہے تو پھر آپ کو اس شخص سے استفادہ کر کے اس کی پیروی کرنی چاہیے تاکہ آپ کا وقت بچ جائے اور جلد از جلد کام شروع کر سکیں۔ہادی یا مرشد کی ضرورت اسی لیے ہوتی ہے۔طلب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بہت شدید اور خلوص پر مبنی ہو۔طلب کی شدت یہ ہے کہ آپ کے دل و دماغ پر ہر وقت یہ فکر سوار رہے کہ یہ کام کرنا ہے اور اس کے سوائے دنیا کے اور سارے کام ہیچ نظر آئیں۔طلب کے لیے دوسری ضروری چیز خلوص ہے خلوص کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام اپنی ذاتی شہرت یا مالی منفعت کے لیے ہرگز نہ کریں بلکہ اس کا شائبہ بھی دماغ میں موجود نہ ہو۔جو کچھ کرنا ہو محض خدا اور رسول خدا ﷺ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے۔جب یہ سب کچھ ہو جائے تو اب عمل شروع ہوتا ہے۔ عمل کے لیے ضروری ہے کہ پورے ذوق وشوق اور جوش وخروش سے لگاتار اور پیہم ہو اور اس میں کوئی وقفہ نہ پڑنے پائے کیوں کہ وقفے سے جوش اور ذوق میں کمی آجاتی ہے۔اب آپ جو عمل شروع کریں تو آپ کے سامنے ہر وقت قرآن کی آیت لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی موجود رہنی چاہیے۔کہنے کو تو یہ بہت چھوٹی سی آیت ہے لیکن درحقیقت ان چند الفاظ میں

اعلیٰ انسانی کردار کو بنانے کے لیے بہت بڑی حکمت اور ہدایت موجود ہے۔الفاظ کا ترجمہ ہے: ''انسان کے لیے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ کوشش کیے جائے۔'' ان الفاظ میں یہ بات مضمر ہے کہ کوشش لگاتار اور پیہم ہو اور سخت ہو۔یعنی آپ کے راستے میں کیسی ہی رکاوٹیں اور کتنی ہی دشواریاں پیش آئیں۔آپ بے دل اور مایوس ہو کر کوشش نہ چھوڑ دیں۔ان رکاوٹوں میں سب ہی کچھ شامل ہو سکتا ہے مثلاً خانگی پریشانیاں' بے روزگاری' غربت و افلاس' طرح طرح کی بیماریاں' عزیز و اقارب کا برا سلوک' طعنے اور استہزاء دشمنوں کی مخالفت اور ایذاء رسانی' جسمانی تکالیف' مار ڈالنے کی دھمکیاں اور جان جانے کا خطرہ وغیرہ وغیرہ۔آپ کی صداقت' طلب اور خلوص کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے ثبات میں لغزش نہ آئے آپ کے ارادے اور جوشِ عمل میں کمزوری واقع نہ ہو بلکہ آپ پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش سے قدم بڑھاتے چلے جائیں۔اگر واقعی جان جانے کا خطرہ سامنے آئے تب بھی آپ کا ایڈوانس رکنے نہ پائے۔اس وقت آپ قرآن کی اس آیت کو یاد کریں کہ ''ہر فرد اور قوم کی موت کا ایک وقت مقرر ہے اور جو وقت مقرر ہو چکا ہے موت اس سے نہ تو ایک منٹ پہلے آ سکتی ہے نہ بعد میں'' یہ ہے ایک انسان کامل کا کردار۔مومن اسی طرح کام کیا کرتے ہیں۔

دوسری ہدایت اس آیت میں یہ ہے کہ تمہارے لیے صرف کوشش ہے۔نتیجہ پر تم کو کوئی اختیار نہیں۔وہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ تم لگاتار کوشش کرتے رہو لیکن یہ کبھی بھی خیال نہ کرو کہ نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو تم چاہتے ہو۔اس لیے اگر چہ نتیجہ تمہاری مرضی کے مطابق نکلے تو سبحان اللہ۔خدا کا شکر ادا کرو لیکن اگر نتیجہ تمہاری مرضی کے خلاف نکلے تو بے دل مت ہو' حوصلہ مت ہارو' پھر کوشش کرو اس وقت تم کو قرآن کی اس آیت کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ ''تم ایک چیز کو اپنے لیے پسند کرتے ہو لیکن خدا اس کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا۔'' **(اقتباس از چراغِ راہ: خطبہ:۹)**

# متاعِ دنیا

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ

اللہ کے دین میں رہبانیت یعنی ترک دنیا کے تصور کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا تک پہنچنے کا راستہ مخلوق خدا سے دور اور دنیا سے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر سے ہو کر گزرتا ہے۔ ہم سب انسان اللہ کے لئے اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس فانی دنیا میں ہمارا قیام بے شک عارضی ہے لیکن بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آخرت کی حقیقی زندگی میں کامیابی کا انحصار یہاں اللہ کو اپنا آقا و مولا اور محبت کا مرکز تسلیم کر کے اس کے آئین کا پابند ہو جانے اور ساتھی انسانوں کی خدمت کرنے پر ہے۔ اللہ کے دین میں دولت، عزت اور حکومت کو معیوب اور ناپسندیدہ نہیں بتایا گیا بلکہ قرآن کریم میں انہیں اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو دنیوی بادشاہت کی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴾ (المائدہ: آیت: ۲۰)

**ترجمہ:** ”اے قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔“

اسی طرح ایک بستی والوں کا ذکر کرتے ہوئے زندگی کی سہولتوں اور رزق کی فراوانی کو اپنی نعمتیں قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴾ (النحل: آیت: ۱۱۲)

**ترجمہ:** ”اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ہر طرح امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو

اللہ

اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر ناشکری کا مزہ چکھا دیا۔‘‘

اس کے علاوہ دوسرے کئی مقامات پر بھی دنیوی اقتدار اور حکمرانی کو اپنا انعام فرمایا ہے بلکہ سورۂ انبیاء میں تو یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ زمین کی وراثت و خلافت کا حق میرے صالح بندوں کا ہی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں جہاں اہل ایمان کو نماز کے بعد رزق کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جانے کے لئے فرمایا گیا وہاں رزق کو اللہ کا فضل کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً کی دُعا سکھلا کر دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں طلب اور حاصل کرنے کی جامع تعلیم دے دی ہے۔ ان آیات سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اصل مسئلہ ان نعمتوں کے اغراض و مقاصد سمجھنے کا ہے اور جب یہ نعمتیں انسانوں کے ہاتھ آ جاتی ہیں تو وہ اللہ کی مخلوق کو ستانے اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کی راہ پر چل نکلتے ہیں اور زمین میں فساد پھیل جاتا ہے۔ مگر جب یہ اللہ سے محبت کرنے والے بندوں کے تصرف میں آتی ہیں تو وہ انہیں کبھی بھی زندگی کا مقصود اور ما حصل نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں اللہ کی رضا کے حصول کا وسیلہ سمجھ کر مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کے لئے صرف کرتے ہیں اور زمین کو امن و امان، صلح و آشتی اور عدل و انصاف سے بھر دیتے ہیں

یہ بڑی عام فہم سی حقیقت ہے کہ یہ مادی دنیا اور اس کی تمام نعمتیں گھٹیا اور ختم ہو جانے والی ہیں۔ یہاں جس کے پاس جو کچھ بھی ہے سب ادھر ہی رہ جائے گا اس کے برعکس آخرت کی نعمتیں اتنی عمدہ اور اعلیٰ ہیں کہ انسانی وہم و گمان میں نہیں آ سکتیں اور پھر ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ وہاں جس کو جو کچھ ملے گا چھینا نہیں جائے گا۔ پھر بھی انسان اپنے نفس کے رجحانات کی وجہ سے مادّی دنیا کی طرف ہی زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے۔ لیکن انسان کی اندرونی کیفیت یعنی روح کا رجحان ہمیشہ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے محظوظ ہوتی ہے۔ لیکن اسے مادّے کے اندھیروں سے نکال کر اللہ کی محبت کے نور سے آشنا کرنے کے لئے تزکیہ یعنی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ عظیم نعمت اللہ کے رسول ﷺ یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے مردان خود آگاہ و خدا مست کی

صحبت اور نظر کیمیاء کے اثر سے ملتی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے صدقے جو لوگ ایمان لا کر نماز اور ذکر کو اپنی زندگی کا اہم ترین جزو بنا لیتے ہیں ان کے دل اللہ کی محبت اور یقین کی دولت سے مطمئن ہو کر متاعِ دنیا کی کشش سے آزاد ہو جاتے ہیں۔قرآن کریم انسان کو اس جبلی رجحان سے نجات حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے راستہ بتاتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى o بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى o اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى o صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴾ (الاعلیٰ: ۱۴ تا ۱۹)

**ترجمہ :** ”بے شک وہ مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔یہی بات پہلے صحیفوں میں مرقوم ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔“

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے دنیا کی زندگی کی حقیقت ایک مثال دے کر سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری زندگی تو ایک مسافر کی مانند ہے جو سرِ راہ کسی سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے آرام کے لئے رک جائے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے یہ اتنی عمدہ مثال ہے کہ اپنی سادگی کے بڑے بڑے نظریات اور فلسفوں سے بھی زیادہ موثر اور سبق آموز ہے ذرا غور فرمایئے کہ جو مسافر راستے میں کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر سستانے کے لئے ٹھہرتا ہے تو وہ اس درخت کا مالک تو نہیں بن جاتا۔نہ وہ اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالنے کا مجاز ہوتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔البتہ وہ اس کے سایہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اپنی سواری کے جانور کو اس کے ساتھ باندھ سکتا ہے۔اگر درخت پھلدار ہے تو اس کے پھل سے اپنی بھوک رفع کر سکتا ہے اگر اسے آگ کی ضرورت ہو تو اس کی خشک ٹہنیوں اور سوکھے پتوں سے آگ جلا سکتا ہے۔اس درخت کی طرح وہ تمام چیزیں جن سے ہم صرف عارضی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں ”متاع“ یعنی استعمال میں لائی جانے والی اور برتنے کی چیزیں کہلاتی ہیں۔

قرآن کریم بار بار یہ حقیقت ذہن نشین کراتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس میں موجود

ساری نعمتیں نہایت ہی مختصر عرصہ کے لئے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حیثیت کے عین مطابق انہیں متاع کا نام دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت ملاحظہ فرمایئے کہ اس میں دنیوی زندگی کو ایک مرتبہ بھی گھر کا نام نہیں دیا گیا عربی زبان میں گھر کو دار کہتے ہیں اور قرآن میں دارالدنیا کی ترکیب استعمال نہیں کی گئی البتہ دار الآخرہ بار بار آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان کا گھر یہ دنیا نہیں ہے یہاں یہ مسافر کی حیثیت سے ہے اور اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہے اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کو لہو ولعب قرار دیتے ہیں جس کے معنی کھیل اور تماشا کے ہیں۔کھیلوں کی افادیت تو یہ ہے کہ ان سے انسان اپنی جسمانی اور ذہنی صحت بہتر بنا کر کامیاب زندگی بسر کرے نہ کہ تفریح کو ہی زندگی کا مقصد بنا لے اور کسی کلب میں ڈیرے ڈال کر اپنے گھر ہی کو بھول جائے۔دنیوی زندگی کی اس حقیقت کا دنیا ہی میں مشاہدہ کر لیں۔ جس طرح کوئی معقول اور ذی شعور شخص کسی کھیل کے میدان،ورزش کے کلب،تفریح گاہ،تماشا گاہ اور سینما تھیٹر وغیرہ میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ نہیں جاتا بلکہ وہاں مختصر عرصہ گزارنے کے بعد اپنے گھر لوٹ آتا ہے اسی طرح اس دنیا سے ہم سب کو اپنے اصلی گھر کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔اللہ نے متاع حیات انسانوں کے برتنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھا ہے۔نہ کہ اس پر اپنی ملکیت جتانے اور اس کی خاطر فساد کرنے کے لئے حیات دنیا کے بارے میں قرآن کریم کی چند آیات یہاں درج کی جاتی ہیں:

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ (المومن:۳۹)

”اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہ ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔“

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَالْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (العنکبوت:۶۴)

”اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی ہمیشہ کی زندگی کا مقام ہے کاش یہ لوگ سمجھتے۔“

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (الشوریٰ:۳۶)

''تمھیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ تو دنیا کی زندگی کا ناپائیدار فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے بہتر اور قائم رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی حقیقت بار بار بیان فرماتے ہیں تا کہ انسان اس کے دھوکے میں آ کر آخرت کی حقیقی زندگی کو نظر انداز نہ کر دے۔اس عارضی زندگی کا حسن دھوکہ دینے والا ہے اور اس کی نعمتیں عارضی ہیں۔یہاں کی کوئی چیز مستقل اطمینان عطا نہیں کر سکتی۔یہاں کوئی مال و دولت کی کمی کی وجہ سے پریشان ہے تو دولت مند بھی مال کے جھمیلوں میں الجھ کر سکون کے لئے ترستا دکھائی دیتا ہے۔کوئی اولاد حاصل کرنے کے لئے دعائیں مانگ رہا ہے تو کوئی اولاد کے ہاتھوں تنگ آ کر خودکشی کر رہا ہے۔کھانے والی کوئی لذیذ سے لذیذ چیز ہی کیوں نہ ہو جب پیٹ بھر جائے تو اس کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔اپنے استعمال کے لئے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز مثلاً ٹی وی،فریج یا موٹر کار خرید لیں۔چند دن یا چند ماہ تو انہیں دیکھ کر اور استعمال کر کے خوشی کا احساس ہوتا رہے گا پھر آہستہ آہستہ کم ہو کر بالکل غائب ہو جائے گا۔الغرض یہاں کسی چیز کو دوام حاصل نہیں ہے جو لوگ اللہ کی بات تسلیم کر کے اس کی محبت اور اطاعت کے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے وہ کامیاب ہو جائیں گے اور جو دنیا کے دل فریب منظر کو حقیقی اور دائمی جان کر اسی کے دلدادہ ہو کر رہ جائیں گے انہیں آخرت میں پچھتانا پڑے گا۔اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کو موسمی فصل کے مشابہ قرار دیتے ہیں کہ جب وہ اپنے جوبن پر ہوتی ہے تو جاذب نظر اور دل کو لبھانے والی ہوتی ہے لیکن چند دن بعد ہی اس کا سارا حسن کافور ہو جاتا ہے۔اور وہ سوکھ کر چورا چورا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تمثیل کا مشاہدہ کیجئے اور عبرت حاصل کرنے والوں میں ہو جائیں:

**ترجمہ** : ''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت و آرائش اور تمہارے فخر و ستائش اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب و خواہش ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے کھیتی اُگتی اور کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زرد پڑ جاتی ہے اور چورا چورا ہو جاتی ہے زندگی کا انجام بھی اسی طرح ہوگا اور آخرت میں کافروں کے لئے سخت عذاب اور مومنوں کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور پھر سن لو کہ دنیا کی زندگی متاع فریب ہے"۔(الحدید:۲۰)

# نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتبہ سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ فرمانے لگے کہ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے ۱۹۷۱ء میں فرمایا تھا کہ اگر پاکستان بیس، پچیس سال اور نکال گیا تو پھر اس کو کوئی نہیں ہلا سکتا۔ پاکستان ان بیس، پچیس سال میں ایٹمی پاور بن گیا۔ یہ بڑی زبردست بات ہے۔ ۱۹۹۸ء میں کلنٹن امریکہ کا صدر تھا تو اس نے بڑا زور لگایا کہ پاکستان ایٹمی دھماکے نہ کرے۔ حالانکہ یہ سب کو پتا تھا کہ پاکستان اب اس گروپ میں ہے۔ اس کو ٹیسٹ کی ضرورت بھی نہیں تھی، وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ یہ دھماکہ نہ کرے۔ ہم یہ نہ کریں اس نے بڑا کہا کہ ہم مدد دیں گے۔ یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ نوائے وقت کے اداریے میں لکھا تھا کہ اگر تم نے دھماکہ نہ کیا تو قوم تمہارا دھماکہ کر دے گی۔ یہ بات انہوں نے نواز شریف کو مخاطب کر کے لکھی!!!

وہ جو مرضی زور لگاتا رہا، انہیں پتا لگ گیا کہ یہ ایٹمی دھماکہ ضرور کریں گے۔ ان کے تو کیمرے اوپر چل رہے ہیں۔ وہ ان کو **سیٹلائیٹ** سے چلا رہے ہیں۔ ان کے لئے تو یہ بات ہی کوئی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہاری جامع مسجد میں بلکہ ہر مسجد میں جہاں جہاں جماعت ہوتی ہے، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس مسجد میں کتنے آدمی آئے ہیں، کتنوں نے ٹوپیاں پہنی ہیں اور کتنے ننگے سر ہیں۔

اسلام آباد میں آج نئی بات ہو رہی ہے، یہاں ایٹم بم ہے۔ اوپر جو ان کے Satellites ہیں ان کے لئے ہماری یہ چیزیں کوئی Secret نہیں ہیں۔ صرف Plans آپ کے Secret ہو سکتے ہیں کہ ہمارے پلان کیا ہیں۔ ہمارے پاس ہے کیا وہ سب کچھ ان کو معلوم ہے۔ جہاں سارا کچھ جا رہا تھا، وہ ضلع چاغی ٹرانسپورٹ ہو رہا تھا، ان کو پتا تھا کہ دھماکہ ہو رہا ہے۔

پاکستان کی Air Force سوفیصد الرٹ تھی۔ یہ لوگ اس وقت تیار تھے، ان کو پتا تھا کہ اس وقت وہ کوئی شرارت ادھر انڈیا یا کسی سے بھی کرا سکتے ہیں۔ پاکستان ایئر فورس والے بالکل تیار تھے کہ جو سامنے آئے گا اسے اُڑا کے رکھ دیں گے۔

ایک دفعہ انڈیا کہوٹہ پر حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ سری نگر میں اسرائیل کے طیارے آئے ہوئے تھے۔ اس میں اسرائیل بڑا اسپیشل ہے۔ عراق کا تو آپ کو پتا ہے کہ انہوں نے اس کا ایٹمی پاور پلانٹ اُڑایا تھا۔ وہ ان کفار کا بچہ ہے کہ بڑا تیز ترار ہے۔ ہمارے حمید گل نے کہا تھا کہ میں نے ان عربوں سے کہا تھا کہ صرف پانچ ارب روپے دے دو، ہم اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔ اس نے کہا کہ نتیجہ جو بھگتنا ہو گا وہ ہم بھگت لیں گے، مگر وہ نہیں مانے۔

جب اسرائیل کے طیارے اتر گئے تو آدھی رات کو اُٹھ کر انہوں نے انڈین **ایمبیسی** سے ان کے سفیر کو اُٹھا لیا۔ اسے لے آئے اور کہا کہ یہ بات سُن لو، یہ تصویر ہے اور یہ طیارے سری نگر میں کھڑے ہیں۔ ہم نے پانچ منٹ نہیں لگانے اور دہلی کو اُڑا کر رکھ دینا ہے۔ ہم نے اسے خاک بنا دینا ہے۔ ہم نے ادھر منہ کر دیا ہے۔ ہم اس دہلی کو تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اور اس اسرائیل کو بھی ہم بتا دیں گے کہ یہ عراق نہیں ہے۔ ہماری طرف منہ کر کے تو دیکھے!! اسی وقت انڈیا کو لائن مل گئی اور یہ سب وہاں سے ہی الوداع کر دیے، واپس چلے گئے۔ یہ تو ایسے تھے۔ حمید گل نے کہا کہ ہم نے کہا کہ ہم اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے یہ دنیا میں کسی کی نہیں مانتا۔ اس کا کسی نے کیا بگاڑ لیا ہے۔ انڈیا کشمیر کے مسئلہ پر کسی کی نہیں مانتا تو اس کا کسی نے کیا بگاڑ لیا ہے۔ اس پر ہم بھی اڑ جائیں گے کہ مٹا دیا، کر لو، جو کچھ کرنا ہے۔ مدعی تو مر گیا، تم کسی کے مامے لگتے ہو۔ مدعی تو ہے ہی کوئی نہیں تو تم کیا کہتے ہو؟ ہاں جی اڑ جاؤ اور کوئی بات نہیں۔ دنیا پاور کی زبان سمجھتی ہے۔ تم آپ ہی اگر سو جاؤ تو پھر کوئی بات نہیں۔

جب بمبئی کا کیس ہوا تو انہوں نے کہا کہ کمانڈو آئے اور ہم پر حملہ کر دیا، ہماری Integrity خراب کر دی، جو کچھ بھی انہوں نے شور مچایا، آپ کو پتا ہے کہ فوجیں ساری بیٹھی رہیں۔

مشرف بھی بڑا لنگڑا تھا،اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں بیٹھے رہیں، ہم نے بھی کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔ وہ بیٹھے ہیں تو ہم بھی بیٹھے ہیں، کوئی بات نہیں وہاں تو ایمرجنسی Declare ہوگئی تھی، یہاں کوئی ایمرجنسی Declare نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی اس مشرف نے شور مچایا کہ ہندوستان کی فوجیں آگئی ہیں۔ وہ انگریز ہمیں ڈراتے رہے کہ ہندوستان نے فوجیں لاکھڑی کی ہیں، وہ تمہیں مٹادیں گے۔ اس نے کہا کہ اپنا کام کرو ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ وہ ڈرتے رہے، یہ جنرل لنگڑا تھا۔ حمید گل کا بھی یہی بیان آیا کہ جب سے انڈیا بنا ہے، اس کو اکھنڈ بھارت کا بہت شوق ہے۔ اکھنڈ بھارت بنانا ہے۔ اکٹھا ایک ہی بھارت ہے۔ اس نے کہا کہ ان کو بڑا شوق ہے اور میرا خیال ہے کہ بڑا اچھا موقع ہے یہ بمبئی کا کیس بھی ابھی تازہ تازہ ہوا ہے، تو یہ اپنا چاہ اتارہی لے، ابھی اتارے۔ میرے ساتھ بھی ڈیڑھ لاکھ میرا فوجی ہے، سپاہی جو فوج سے ریٹائر ہوا ہے، پینشن پر ہے، میں نے ان سب سے کہہ دیا ہے کہ آپ بھی ورزش شروع کردیں، میں نے بھی شروع کر دی ہے، یہ اپنا چاہ اتارہی لے۔ ساتھ ہی اس نے کہا کہ انڈیا کی ماں مرجائے، ہماری طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھ سکتا۔ انہیں معلوم ہے کہ ہم نے Store room میں کیا کچھ رکھا ہے۔ ان کے لئے کیا مال تیار کررکھا ہے۔ ہماری قوم کو آپ بھی کچھ نہیں پتا، ہم نے ان کو بھی نہیں بتایا کہ ہم نے کیا کچھ بنایا ہے لیکن ان کو خبر پہنچادی ہے۔ ان کو پتا ہے کہ ہم نے سٹور میں کیا کچھ ان کے لئے تیار کررکھا ہے۔ اس کی ماں مرجائے اگر ہماری ہوا کو بھی دیکھے۔

تیسرے دن اس ثمر مبارک مند (ایٹمی سائنسدان) کو ٹی وی پر بلالیا۔ اس نے میزائل اور بم پر سوالات کے جوابات دیے۔ اس سے پوچھا گیا کہ سنا ہے کہ پاکستان کی میزائل انڈیا اور دوسرے سب سے بھی بہت کامیاب ہیں۔ اس نے کہا کہ ہم اس ایٹمی دوڑ میں بعد میں جو شامل ہوئے ہیں، لوگوں نے تو پہلے سب بنایا تھا، ہم بعد میں جو آئے ہیں ہماری ٹیکنالوجی Latest ہی ہوتی ہے۔ ہماری ہر چیز Modern ہے، اچھی ہے۔ ہم Latest ہیں، وہ تو اس میدان میں پرانے ہیں۔

کل پرسوں ہی ایک حتف ۔9 میزائل فائر کیا گیا ہے۔ان انڈیا والوں نے ایک میزائل فائر کی تو ادھر انہوں نے بھی کی ہے۔کہا کہ ہم نے پہلے ہی تیار کی ہوئی تھی۔انڈیا نے فائر کیا تو انہوں نے بھی فائر کر دیا کہ ایک مرتبہ Moral boost کرنے کے لئے چلاؤ۔

اس سے کہا کہ آپ کی میزائیل Superior ہے؟ تو اس شر مبارک نے کہا کہ ہاں بہت Superior ہے، اعلیٰ ہے، دنیا ہماری ٹیکنالوجی کو مان گئی ہے۔اس سے پوچھا گیا کہ اس کی Accuracy کیا ہے؟ جو گیارہ سومیل یا کلومیٹر تک جاتی ہےتو وہ نشانہ کس حد تک ٹھیک لگاتی ہے؟ اس نے کہا کہ اس کی Accuracy range جو ہے وہ ایک میٹر ہے۔اگر ادھر نہیں گرے گی تو ایک میٹر اُدھر جا گرے گی۔ایسا نہیں ہے کہ یہاں ماری اور کئی کلومیٹر دور جا گرے گی ایسا نہیں ہے۔اس کی ایک میٹر کی رینج ہے۔ایک میٹر کی Accuracy ہے۔اس نے کہا کہ اگر ہم چاہیں کہ ہماری میزائل ہندوستان کی پارلیمنٹ کی اس کھڑکی سے داخل ہوتو یہ اُسی کھڑکی سے ہی جائے گی۔ایک Responsible بندہ ٹی وی پر بیٹھ کر یہ بیان دے رہا ہے۔وہ بات کر رہا ہے، وہ (ہندوستان والے) تو اسی وقت ڈرنے لگ جاتے ہیں۔یہ مسلمان ہی ہے جو چل رہا ہے کہ آندھی آئے، طوفان آئے، خواہ کچھ ہو جائے، اس نے چلنا ہے۔ایسے بیان جو ہیں یہ تگڑے تگڑے بندوں کو دینے چاہئیں۔

اس ضیاءالحق کی بھی کرکٹ ڈپلومیسی مشہور ہےناں کہ وہ انہیں بتا آیا تھا کہ اتنے ہم نے بنالئے ہیں۔ان دنوں انڈیا نے سندھ کے ایریا میں ایک بہت بڑی Exercise شروع کی تھی۔ اس کو یہ ساتھ ساتھ مانیٹر کر رہے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کرکٹ کا میچ ہو رہا تھا، صدر نے کہا کہ مجھے بھی شوق ہے۔یہ وہاں بغیر Invitation کے چلا گیا۔وہاں اس راجیو گاندھی نے تو آنا ہی تھا۔یہ گیا تو اسے پروٹوکول تو دینا ہی تھا، وہ Receive کرنے کیلئے آیا۔یہ وہاں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور کہا کہ کتنے ایٹم بم بنائے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہمیں پتا ہے کہ اتنے تم نے بنائے ہیں اور اتنے ہمارے پاس بھی تیار ہیں، یہ یاد رکھنا!!! یہ کرکٹ میچ دیکھ آیا،

وہ فوجی مشق ختم ہوگئی۔اُن کا Problem تھا کہ اس سندھ کو Cut کر دیتے ہیں۔

ایک دفعہ انڈیا کے صحافی کالدیپ نیر کا ڈاکٹر عبدالقدیر کے ساتھ انٹرویو کرایا گیا۔اس کو ڈاکٹر قدیر کے گھر لے گئے اور اس نے ڈاکٹر قدیر سے سوالات کیے۔ڈاکٹر قدیر نے کہا کہ ہاں ہم نے ایٹم بم بنالیا ہے۔وہ جب واپس انڈیا گیا تو اس نے دھوم مچا دی۔انڈیا کے اخبارات نے اسے بہت اُٹھایا کہ کالدیپ نیر ڈاکٹر قدیر کا انٹرویو کر آیا ہے۔اِدھر ڈاکٹر قدیر کی طرف بھی یہ بات شروع ہوگئی کہ ایک ہندو صحافی کو ڈاکٹر قدیر کے پاس کون لے آیا۔اِن کی اپنی سکیم تھی کہ اُس کو لے آؤ اور یہ اس کے کان میں یہ بات ڈال دے۔اِنہوں نے تاثر غلطی کا دیا مگر سارا کچھ ڈراما تھا کہ ان کو لے آؤ اور بتا دو کہ ہم نے ایٹم بم بنالئے ہیں۔کالدیپ کو لے آئے اور Plan کر کے قدیر خان کا انٹرویو کرا دیا۔کالدیپ نے بھی شور مچایا کہ جیسے پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔بہت سی چیزیں ہیں جو یہ خود بھی کرتے ہیں۔وہاں پہنچانے کے لئے انتظام کرتے ہیں کہ یہ خبر وہاں پہنچ جائے۔ اور ان کو پتا چل جائے۔اچھا ہوتا ہے، دونوں بچ جاتے ہیں۔بجائے اس کے کہ غلط فہمی میں دونوں ہی مارے جائیں، ان کو پہنچا دیتے ہیں کہ یہ ہمارا کام ہے، ہم نے یہ بنا لیا ہے۔کئی نئے چھوٹے موٹے گھوڑے، اور کئی چیزیں Invent کی ہیں، جو ہم نے آپ ہی بنائی ہیں۔وہ نہیں آسکتے، انہیں پتا ہے کہ ہمارے پاس کیا ہے، ویسے وہ شور مچاتے رہتے ہیں۔وہ یہ سب کچھ ان امریکیوں کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا تاثر دینے کیلئے کرتے رہتے ہیں، وہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ ہاں جی! بڑا Great ملک ہے۔وہ امریکی بھی Population کے حساب سے Deal کرتے ہیں۔جب کبھی میدان میں Test کرنے کا موقع آئے تو پھر اُنہیں پتا چلے کہ یہ کیا ہیں۔وہ امریکی انہیں چائنہ کے خلاف کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ انڈیا والے پہلے بھی چین کے خلاف لڑائی میں پتلونیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، کوئی بھیڑوں اور بکریوں کا جھگڑا تھا۔وہ چینی آئے تو یہ بھاگ آئے۔ان کا کوئی شہر بھی اُن کے قابو آیا تھا۔

# انسان ، دنیا اور آخرت

## (امام ابنِ قیّم الجوزیہ)

سب سے بڑا دنیوی فتنہ اور دھوکہ یہ ہے کہ انسان دنیا کے فوری فوائد کے فریب میں پھنس جائے اور آخرت کے مقابلے میں اسے ترجیح دے۔ انسان دنیا کے قلیل سے قلیل فائدے سے خوش ہو جاتا ہے اور اس قسم کے فریب خوردہ لوگوں کی باتیں بھی کچھ عجیب وغریب ہوا کرتی ہیں۔ بعض تو یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار اور اُدھار کے مقابلے میں نقد زیادہ سودمند ہوتا ہے۔ کچھ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ نقد ذرّہ اُدھار موتی سے بہتر ہے، اور کچھ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں یقینی ہیں اور آخرت مشکوک و مشتبہ۔ مشکوک و مشتبہ چیز کیلئے یقینی چیز چھوڑی نہیں جا سکتی۔

یہ تمام باتیں شیطان کا دھوکہ اور فریب ہیں۔ ایسی سمجھ کے انسانوں سے تو جانور زیادہ عقل مند اور سمجھدار ہوتے ہیں۔ مضرت رساں چیز سے تو جانور تک دُور بھاگتے ہیں، جانور کو مارا اور پیٹا جائے، تب بھی وہ مضرت رساں چیز کی طرف نہیں بڑھتا، مگر افسوس کہ جان بوجھ کر انسان ایسی چیزوں کی طرف اقدام کرتے ہیں جو ان کے حق میں سخت مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر بھی یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ اس قسم کے لوگ اگر اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر، بارگاہِ الٰہی میں حاضری پر، اور قیامت کی جزا وسزا پر ایمان رکھتے ہوئے ایسا سمجھ رہے ہیں تو ان سے زیادہ کوئی محروم و بدنصیب نہیں۔ ان سے زیادہ حسرت و یاس کا مستحق کون ہو سکتا ہے کہ باوجود علم و ایمان کے وہ ایسا کر رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر اگر وہ ایمان ہی نہیں رکھتے تو پھر ان سے زیادہ کوئی محروم و بدنصیب ہو ہی نہیں سکتا۔

اُدھار سے نقد بہتر گردانے والے کیلئے جواب ہے کہ یہ اسی وقت ہے، جب نقد اور

ادھار مساوی اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں، لیکن اگر نقد اور ادھار مساوی اور برابر نہیں، بلکہ اُدھار زیادہ اور نفع بخش ہے تو یقیناً اُدھار ہی افضل و بہتر ہے۔حقیقت یہ ہو تو پھر دنیا کے نقد کو آخرت کے ادھار سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ جب کہ ابتداء تا انتہا ساری کی ساری دنیا آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر بھی نہیں ہے۔جیسا کہ مسند احمدؒ اور ترمذی شریف میں حضرت مستورہ بن شداد سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ انگلی کے ساتھ کتنا پانی آتا ہے؟

درحقیقت آخرت نقد ہے اور دنیا اُدھار۔اس نقد کو ایسے ادھار کے عوض تباہ و برباد کر دینا ایک بڑا خسارہ اور بدترین جہالت و بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ پوری دنیا کی حیثیت جب آخرت کے مقابلے میں یہ ہے تو پھر ایک انسان کی عمر کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔اہم سوال یہ ہے کہ عاقل کے نزدیک دونوں میں سے کون سی چیز افضل و بہتر ہے؟اس مختصری مدت کی قلیل ترین چیز کو اختیار کرنا،اور آخرت کی دائمی خیر و بھلائی کو ٹھکرا دینا،یا ایک حقیر و کمتر اور جلد سے جلد ختم ہو جانے والی چیز کو اس لئے ترک کر دینا کہ اس کے عوض بیش قیمت چیز حاصل کی جائے جو نہ کبھی انسان کے وہم و گمان میں آسکی ہے، نہ جس کی بہتات کا کوئی شمار ہے،اور جس کے ختم ہونے کی کوئی میعاد و مدت بھی نہیں ہے۔

دوسرے قول کہ یقینی چیز کو مشکوک و مشتبہ چیز کے مقابلے میں ترک نہیں کیا جا سکتا، کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید اور اسکے پیغمبروں کی صداقت پر اگر یقین ہے تو جو کچھ دنیا کا نقد چھوڑ رہے ہو،اس کی حیثیت ادنیٰ سے ادنیٰ ذرّے سے زیادہ نہیں اور وہ آناً فاناً ختم ہونے والا ہے۔آخرت یقینی چیز ہے،جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں اور وہ کبھی منقطع ہونے والی بھی نہیں۔اس میں اگر شک و شبہ ہے تو پروردگار عالم کی آیات اور نشانیوں پر غور کرنا چاہیے جو اس کے وجود،اس کی قدرت،مشیت،وحدانیت پیغمبروں کی حقانیت و صداقت اور پیغمبروں کے

پیش کردہ صراطِ مستقیم کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔ پورے پورے تجرد و یکسوئی کے ساتھ آیاتِ الٰہیہ پر غور کیجئے اور سوچیے، ہمت و عزیمت کے ساتھ کھڑے ہوجایئے، غور و تدبر کیجئے اور بحث کیجئے تا کہ اچھی طرح واضح ہوجائے کہ انبیائے کرام نے خدا کی جانب سے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ بالکل حق اور صحیح ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس دنیا کا خالق بھی وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس کی شان نہایت بلند و بالا ہے۔ ہر قسم کے نقائص سے منزہ اور پاک ہے۔ انبیائے کرام نے اس ذاتِ مقدس کے متعلق جو خبریں پہنچائی ہیں وہ بالکل حق ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی شخص ذاتِ الٰہی کے متعلق کہتا ہے تو وہ خدا کو گالی دے رہا ہے، اسے جھٹلا رہا ہے، اس کی الوہیت و ربوبیت، اس کے ملک اور اس کی شہنشاہی کا انکار کر رہا ہے، کیونکہ فطرتِ سلیم کے حامل ہر شخص کے نزدیک یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و الملک احکم الحاکمین کسی طرح بھی عاجز، بے بس ہے، یا وہ جاہل و بے خبر ہے کہ اس کے علم سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی چھپی ہوئی ہے، یا وہ سنتا نہیں، کلام نہیں کرتا، بندوں کو مامور نہیں کرتا، بری چیزوں کی ممانعت نہیں کرتا، نیکی کا بدلہ ثواب اور بدی کا بدلہ عذاب نہیں دیتا، عزت و ذلت کا مالک نہیں کہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، اپنے ملک و مملکت میں اور مملکت کے اطراف و جوانب میں اپنے پیغمبروں کو نہیں بھیج سکتا، اپنی مخلوق اور رعایا کی پروا نہیں کرتا، ان کے حالات و اطوار کی خبر نہیں رکھتا، اس نے ان کو بے کار و لایعنی چھوڑ دیا اور انہیں مہمل اور آزاد پیدا کیا ہے۔ یہ باتیں تو دنیا کے بادشاہوں کی بھی شان کے خلاف ہیں، چہ جائیکہ مالک الملک، بادشاہِ حقیقی، احکم الحاکمین کی ذاتِ مقدس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں۔

انسان اپنی ابتدائی خلقت، نطفے سے لیکر پیدائش، شیر خوارگی، بچپن اور جوانی کے حالات پر غور کرے تو اسے پوری طرح معلوم ہوجائے گا کہ وہ ذات جس نے انسان کی تخلیق و تربیت کا نظام قائم کیا اور جس نے اسے ان مختلف حالات سے گزارتے ہوئے اس منزل تک پہنچایا، مختلف اخلاق و اطوار سے اسے نوازا، اس کے لئے کیا یہ سزاوار ہے کہ انسان کو بالکل مہمل

اور بے کار چھوڑ دے؟ کسی قسم کے حکم سے اسے مامور نہ کرے، کسی چیز سے اسے نہ روکے اور اس پر جو حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں، ان سے اسے آشنا نہ کرے، کسی چیز کا اجر وثواب نہ دے، کسی جرم کی سزا نہ دے، اگر بندہ پوری طرح ان چیزوں پر غور کرے تو اس کی آنکھوں کے سامنے یا اوجھل جو کچھ ہے، اس سب کو توحید و رسالت، معاد و آخرت کی کامل ترین دلیل پائے گا۔ نیز ہر چیز اس پر بھی دلالت کرے گی کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، غرض دنیا کی ہر چیز ان امور کی طرف انسان کی رہنمائی کرے گی۔ قرآن میں ارشاد ہے:

''لوگو! جو چیز تمہیں دکھائی دیتی ہے، اور جو چیز تمہیں دکھائی نہیں دیتی، ہم قسم کھاتے ہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ کلام الٰہی ہے، ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا۔'' (الحآحقة۶۹:۳۸۔۴۰)

**فِیْ اَنفسکم افلا تبصرون (الذّاریات ۵۱ : ۲۱)**

ترجمہ: (''خود تمہارے اندر بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تم کو سوجھتی نہیں۔)

غور و تدبر کیا جائے تو خود انسان کا وجود ہی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ خالق، حق تعالیٰ موجود ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے۔ رسالت و نبوت حق ہے اور اسکی صفات کما یہ حق ہیں۔

بہر حال! آخرت کو ضائع کرنے والا ہر دو صورت میں فریب اور دھوکے کا شکار ہے۔ تصدیق و یقین کی حالت میں، اور تکذیب و شک کی صورت میں بھی۔ بشری طبائع کے مطابق کسی انسان کو بادشاہِ وقت بلاتا ہے کہ کل تم ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ، تمہارے فرائض و اعمال کا جائزہ لیا جائے گا، تم اگر اس میں ناکام ثابت ہوئے تو تمہیں سخت ترین سزا دی جائے گی، اور اگر کامیاب رہے تو تمہاری کامل عزت افزائی کی جائے گی۔ کیا ایسی اطلاع پانے کے بعد وہ شخص غافل اور بے خبر ہو کر سو جائے گا، کیا حضور شاہی میں کل کی حاضری فراموش کر دے گا، نہ وہ کسی قسم کی تیاری کرے گا، نہ اسے کسی قسم کا خوف و ہراس ہو گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض صحیح اور بالکل صحیح ہے۔ اکثر و بیشتر مخلوق پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اور ان دو متضاد امور کا مجتمع ہو جانا نہایت تعجب انگیز بھی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم و یقین

اور تخلف عمل کے بہت سے اسباب ہیں۔منجملہ یہ کہ علم کی کمزوری اور یقین کی کمی بھی ایک اہم سبب ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کے مدارج مختلف نہیں، وہ سراسر غلط کہتا ہے۔غور کیجئے کہ حضرت ابراہیمؑ کو علم تھا کہ پروردگار مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔اس کے باوجود بارگاہِ الٰہی میں استدعا کرتے ہیں کہ وہ مردہ زندہ کرکے دکھائے۔ کیوں! اس لئے کہ یقین و اطمینان میں استحکام فراواں حاصل ہو جائے اور جو چیز بطورِ غیب معلوم ہے، بطورِ حضور و شہود معلوم ہو جائے۔

**مسند احمد** میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**لیس الخبر کالمعاینة** (خبر کی حیثیت معاینہ ومشاہدہ کی نہیں۔")

ضعفِ یقین موجود ہو، اور آخرت کے متعلق مذکور چیزیں سامنے مستحضر نہ ہوں، اور جو چیزیں معادو آخرت کے خلاف ہیں، قلب اکثر اوقات ان میں مشغول ہو، جس کی وجہ آخرت کی چیزیں قلب سے محجوب و مستور ہو جائیں۔ بنابریں خواہشات وشہوات کا غلبہ ہی ہو جائے، نفس کی فریب کاری، شیطان کا دھوکہ، وعدہ آخرت بدیر پورا ہونے کی اُمید، غفلت کی نیند، موجود و حاضر کی محبت، تاویل کی رخصتیں، شب و روز کی مالوفات سے دِل بستگی۔ یہ تمام باتیں جب جمع ہو جائیں تو اس وقت ایمان کو قلب انسانی کے اندر وہی ذات قائم اور باقی رکھ سکتی ہے، جس نے زمین اور آسمانوں کو قائم رکھا ہے اور یہ وہ اسباب ہیں جن کی بناء پر ایمان و عمل میں لوگوں کے مدارج مختلف ہوا کرتے ہیں، تا کہ کمزوری اور ضعف کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایمان بقدر ذرّہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ تمام اسباب جب یکجا ہو جاتے ہیں تو بصیرت و استقلال کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل صبر و یقین کی مدح و توصیف فرمائی ہے اور صبر و یقین والوں کو امامت فی الدین کا درجہ عطاء فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**ترجمہ:** "اور ہم نے بنی اسرائیل میں پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، کیونکہ وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔"

# امانت ، دیانت اور حکومت

(ڈاکٹر اظہر وحید)

امانت اور دیانت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح لازم وملزوم ہیں، جس طرح جسم کے ساتھ روح۔ دیانت، امانت کی روح ہے۔ جو اپنے اندر دیانت نہیں رکھتا، وہ امانت رکھنے کا اہل نہیں۔ کوئی خاندان ہو یا خانقاہ .... مملکت ہو یا معیشت..... دیانت کے جوہر کے بغیر اپنے وجود کا طول وعرض برقرار نہیں رکھ سکتی۔

حکومت بھی ایک امانت ہے..... امانت نااہل کے سپرد ہو جائے تو سلامت نہیں رہتی۔ دراصل حکومت..... عوام کی طرف سے حکمرانوں کے پاس جمع کروائی ہوئی چھوٹی بڑی بہت سی امانتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ امانتیں حقوق کی شکل میں بھی ہو سکتی ہیں۔ مملکت کا حکمران مالک الملک کی منشاء کے مطابق ایک منشی بن کر عوام کی امانتوں کے بہی کھاتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ کسی امانت کو ہڑپ کرنا تو دُور کی بات..... امانتوں کی نگرانی سے غفلت کا نام بھی بددیانتی ہے۔ اس طرح ملکی سطح پر نااہل ہونا بنیادی طور پر بددیانت ہونے کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر خازن ہی خائن ہو جائے تو خزانہ کدھر جائے۔

بددیانت حکمرانوں کے دورِ حکومت میں ملکی خزانہ اُن کے ہاتھوں سے نکلتا ہوا غیر ملکی دسترس میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح بددیانتی غداری کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ جب بدعنوان ہونا عیب کی بجائے ہنر تصور کیا جائے تو امارت حکومت کی واحد اہلیت قرار پاتی ہے۔ ایسے میں مملکت پر جو تباہی نازل ہوتی ہے، تو اس کیلئے الامان الحفیظ کا وظیفہ بھی ناکافی ٹھہرتا ہے۔

حکومت کرنا دراصل حکمت کرنا ہے۔ کسی حکومت کی حکمتِ عملی صرف اس وقت عملی حکومت بن سکتی ہے، جب سرمایہ دار، جاگیردار، سوداگر اور تاجر قسم کے لوگ اختیارات کے منبع و مرکز سے دُور رکھے جائیں۔ تاجر، مملکت کی تجوری کو تجارت کیلئے استعمال کرے گا..... سوداگر، رعایا کا سودا کرسکتا ہے..... زردار، زورآور ہوکر مزید زراندوزی کرے گا...... اور جاگیردار جب کوئی الیکشن یا سلیکشن جیتنے میں کامیاب ہوجائے گا، تو رعیت کو ہاری تصوّر کرے گا۔

حکومت کرنا دراصل زیردستوں کو زبردستوں کے استبداد سے بچانے کی حکمتِ عملی ہے۔ یہ انصاف سے شروع ہوتا ہے اور احسان تک پہنچتا ہے...... زبردستوں کے ساتھ انصاف..... اور زیردستوں کے ساتھ احسان۔ انصاف اُس وقت انصاف نظر آتا ہے، جب اُوپر سے شروع کیا جائے.... انصاف مستحسن ہے، مگر احسان سے احسن نہیں۔ منصفوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انصاف کا عمل اوپر سے شروع ہوتا ہے اور احسان کا عمل نیچے سے!!!

حکومت.... اقتدار حاصل کرنے اور پھر اس کی حفاظت کی تدابیر کرتے رہنے کا نام نہیں.... بلکہ حکومت کا کام اقدار کی حفاظت کرنا ہے..... خواہ اس عمل میں اقتدار محفوظ رہے، یا نہ رہے۔ اختیارِ اعلیٰ..... ربّ الاعلیٰ کی طرف سے دی گئی ایک امانتِ چند روزہ ہے۔ چند روزہ امانت پر ہمیشہ کیلئے تصرف کی خواہش بذاتِ خود بددیانتی ہے۔ دولت کے ارتکاز سے لے کر اختیارات کے ارتکاز تک، سب خرابیاں اس عارضی تصرف پر ہمیشہ متصرف رہنے کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں۔ نافرمان لوگ اقتدار کو ہمیشہ کیلئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انسانی تاریخ میں فرماں روائی اقتدار کی بجائے اقدار کو حاصل ہوتی ہے۔ فرماں روائی..... دلوں پر فرمان جاری کرنے کو کہتے ہیں۔ دِلوں پر جاری ہونے والے فرمان دلوں پر بھاری نہیں ہوتے۔ حکمرانی حکم

چلانے کو نہیں کہتے۔ حکم چلانے والے کو چلانا پڑتا ہے.....یا پھر خود چلنا پڑتا ہے۔ حکمرانی کا بھرم اپنے مالک کے حکم پر چلنے سے قائم رہتا ہے۔ درحقیقت ہر حکومت، نگران حکومت ہوتی ہے۔

اختیار کی طرح دولت بھی ایک امانت ہے۔ اپنے اختیار کو دولت میں اضافے کیلئے استعمال کرنا.....یا اپنی دولت کے استعمال سے کوئی اختیار حاصل کرنا..... دونوں ہی بدعنوانی کے زمرے میں آتے ہیں۔ بدعنوانی دراصل عنوانات کا اَدل بدل ہی تو ہوتا ہے..... اور عنوانات کے بدلنے سے بدعنوانی وبداعتدالی کے نئے نئے عنوانات کھلتے ہیں۔ اختیار اور دولت دونوں میں کسی کا استعمال بھی حد سے گزر جائے تو اِس پر حد جاری ہو سکتی ہے۔

امانت و دیانت کا سبق پہلے اپنے وجود کی عمارت میں نافذ کرنا واجب ہے۔ تب ہی اِس کا نفاذ باہر کی اَمارت میں ممکن ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے وجود پر چند عشروں کیلئے تصرف دیا گیا ہے۔ اپنے جسم پر اقتدارِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد معزول ہونا کتنا یقینی ہوتا ہے۔ اس پر یقین اُس یقین سے پہلے آجانا چاہیے، جس کا ایک نام موت بھی ہے۔ بہرحال ملک وجود ہو، یا وجودِ مملکت ..... مالک الملک کی مرضی کو نظر انداز کرنے والا.......اپنی مرضی سے تصرف کرنے والا.......بدعنوان ہی کہلائے گا۔

لفظ معنی کا عنوان ہوتے ہیں۔ روح کی طرح معانی بھی بے نام رہتے ہیں۔ جب تک انہیں کسی اسم اور جسم کا لباس میسر نہیں آجاتا۔ جہانِ معانی میں کسی معنی کو اس کے صحیح عنوان سے ہٹا دینا بھی بدعنوانی میں شمار ہوتا ہے۔ جب ہم سچ بولتے ہیں تو لفظ اور معانی کے رشتوں کے ساتھ عدل کر رہے ہوتے ہیں۔ جب جھوٹ بولتے ہیں تو ظلم کرتے ہیں کہ الفاظ کو اُن کے درست تناظر اور تندرست مفہوم سے محروم کر دیتے ہیں۔ الفاظ جسم ہیں اور معانی روح۔ جسموں کو روح

کے نزدیک رکھنا دراصل روح کے عالم میں کئے گئے ایک وعدے پر پورا اُترنے کی تدبیر ہے۔
حکم ربّــــــــــی ہے کہ وعدوں کے متعلق سوال ہوگا۔انسان اپنے وعدوں کا مسئول ہے۔
درحقیقت روحانیت، اپنی مسئولیت کا احساس ہے۔

وعدہ بھی امانت ہے...... لفظوں کی شکل میں دی گئی ایک امانت۔وعدہ پورا نہ کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے۔وعدہ وفا نہ کرنے والا ہی تو بے وفا کہلاتا ہے۔وعدہ ایک ایسی امانت ہے، جسے لینے والے کی بجائے دینے والے کو واپس کرنا ہوتا ہے۔

**وعــــــدہ** ..... حال کے پاس مستقبل کی امانت ہے۔الفاظ کی شکل میں وصول اور موصول ہونے والی یہ امانت جب عمل کی صورت میں لوٹائی جاتی ہے، تو اسے دیانت داری کہتے ہیں۔
کل کا وعدہ ایک جھوٹا وعدہ ہوتا ہے۔کیونکہ کل کبھی نہیں آتا۔آج کی درخواست پر آج ہی عمل درآمد ضروری ہوتا ہے۔کیونکہ آج ہر روز آتا ہے۔درخواست پر غور کرنے کے وعدے میں آدھا انکار شامل ہوتا ہے۔ہر عہد اپنے عہد ہی میں پورا ہونا چاہیے۔جو اپنا عہد پورا نہیں کرتا، اُس کا عہد اَدھورا رہ جاتا ہے۔درحقیقت اپنے عہد پر پورا نہ اُترنے والا، کسی عہد کےلیے بھی پورا نہیں اُتر سکتا۔!!

صبحِ اَلست انسان اپنے ربّ سے بھی ایک عہد کر چکا ہے۔اب زندگی کی شام پڑنے سے پہلے اِسے اپنا بندہ ہونا ثابت کرنا ہے۔تاکہ وہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہنے کا ثبوت پیش کر سکے۔بندے کا اپنے ربّ کے حضور سجدۂ تسلیم، اُس کے پاس اپنے عہد پر قیام کا ثبوت ہے۔
قدیم نے کسی مقام پر حادث کو اپنے کس راز کی امانت تفویض کر دی کہ کہا گیا ......
الانسانُ سِرّی و اَنا سِرّہ۔ ''انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔'' گویا ربّ کا راز انسان کے پاس ہوتا ہے یا یوں کہیں کہ انسان وہی ہوتا ہے جس کے پاس اپنے ربّ کا راز ہوتا ہے۔

اس لئے تو اُلوھی راز کے متلاشی بالآخر کسی انسان کے پاس ہی پہنچتے ہیں!!!

امانت دیانت اور ایفائے عہد کے باب میں معیارِ اوّل و آخر وہی ایک ہستی ہے جو نگاہِ عشق و مستی ہی میں نہیں، نگاہِ فکر و دانش میں بھی اوّل و آخر ہے...... ازل سے صادق ﷺ ..... ابد الآباد تک امین ﷺ ۔ تمام صداقتیں اپنی صداقت کی سند پانے کیلئے صادق ﷺ کی طرف رجوع کرتی ہیں..... تمام امانتیں، آسمانی ہوں یا زمینی.....امین ﷺ ہی کے پاس عافیت و حفاظت پاتی ہیں..... تمام عہد درحقیقت صادق اور امین ﷺ کے دم قدم سے قائم ہیں ۔قصہ مختصر......انسان ہونے کیلئے جو الانسان ﷺ کے قریب ہے....اور یہ قرب، زمان و مکاں سے ماوراء ہے ۔ کہ یہ قرب، قربِ معنوی ہے ۔ ظاہر ہے صادق اور امین ﷺ کے قریب وہی ہوسکتا ہے، جس کا باطن امانت، دیانت اور ایفائے عہد کے نور سے منور ہوگا۔ درحقیقت تصوف اخلاقِ محمدی ﷺ سیکھنے اور سکھانے کا نام ہے۔

ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ قریب کے دور میں ہم ایک ایسی شخصیت سے متعارف ہوئے کہ جس کا قول و کردار اخلاقِ محمدی ﷺ کا پَرتَو تھا۔

# سطحی زندگی

(ریحان احمد یوسفی)

میں نے بہت کوشش کی کہ یہ سمجھ سکوں کہ لوگ اس قدر ذوق وشوق سے میڈیا کیوں دیکھتے ہیں۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ دورِ جدید میں لوگوں نے انتہائی سطحی زندگی جینا شروع کر دی ہے۔ان کی سطحیت کا عالم یہ ہے کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ غیر حقیقی ہے۔جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں، وہ سب مصنوعی ڈرامہ اور فلم ہے۔یہ سب ادا کار ہیں۔جو کچھ دکھایا جا رہا ہے وہ حقیقی زندگی کا حصہ نہیں ہے۔یہ محض جھوٹ اور فریب کی دنیا ہے۔یہ حسن مصنوعی، یہ کہانی جعلی اور یہ خوشی وغم کے قصے گھڑے ہوئے ہیں، مگر لوگ پھر بھی ان کو حقیقت سمجھ کر دیکھتے اور واقعہ سمجھ کر متاثر ہو جاتے ہیں۔

لوگوں کی یہ سطحیت صرف میڈیا دیکھنے تک محدود نہیں بلکہ لوگوں نے فارغ اوقات میں بھی وہ ساری مصروفیات ڈھونڈ لی ہیں، جن کی گنجائش کسی ایسے انسان کی زندگی میں نہیں ہو سکتی جو دنیا کی حقیقت سے واقف ہو۔تفریح، کھیل کود، شاپنگ، ذوق جمال کی تسکین، سہولیات کی خواہش بری چیزیں نہیں، مگر آج لوگوں نے انہیں مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ویڈیو گیمز، اسپورٹس، سیر و تفریح، گھومنا پھرنا، ہوٹلنگ یا باہر کھانا، دعوتیں کرنا، شاپنگ کرنا، نئے فیشن کے ملبوسات و زیورات کے پیچھے لگے رہنا، گھر اور اپنے اطراف میں ہر وقت نت نئی تبدیلیوں پر پیسے خرچ کرنا، یہ اور ان جیسی کتنی چیزیں ہیں، جن کو فی بنیادوں پر غلط قرار دینا ممکن نہیں مگر آج لوگ انہی کو نصب العین بنا کر جیتے ہیں۔

## مذہبی لوگ:

اس وقت ایک طرف تو مسئلہ لوگوں کی یہ سطحی دلچسپیاں ہیں اور اس سے بڑھ کر مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ دعوت واصلاح کے کام پر اُٹھے ہیں وہ لوگوں کو دنیا سطحیت سے نکال کر اس

سطحیت کی طرف لے جا رہے ہیں، جو دین کے نام پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ وہ سطحیت ہے جس میں لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کو دین کی طرف بلا رہے ہیں حالانکہ وہ انہیں چند ظاہری اعمال کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں۔

وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو توحید کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دراصل وہ انہیں اپنے مفروضہ اکابرین کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو جنت کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دراصل وہ انہیں اپنی جماعت کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو قرآن وحدیث کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دراصل وہ انہیں گھڑی ہوئی داستانوں کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انہیں اسلام کے احیاء کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دراصل وہ سیاست کے بازار کی آوارہ گردی کیلئے بلا رہے ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو فردوس کی بادشاہی کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دراصل وہ ثواب کی اس دکانداری کی طرف بلاتے ہیں، جہاں آدمی اپنے روحِ عمل کو جنت کی قیمت سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو روحانیت کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دراصل وہ انہیں ظاہری شکل وصورت کی تبدیلی کی طرف بلاتے ہیں۔

## خدا تنہا ہے:

یہ بات ہے کہ دین آج بھی اجنبی ہے۔ وہ دین جس میں خدا زندگی کا حاصل ہے، اس کا پیغمبر آخری حجت ہے، اس کی جنت آخری مقصود ہے۔ یہ دین اب ڈھونڈے بھی نہیں ملتا۔ خدا جس طرح اپنی عظمت کے ساتھ تنہا ہے، آج اپنے دین کے ساتھ بھی تنہا رہ گیا ہے۔ خدا کے ملک میں پہلے بھی بغاوت ہوئی ہے۔ اس وقت خدا کا ساتھ دینے کا مطلب یہ تھا کہ آدمی دنیا بھر سے ٹکرا جائے۔ وہ بغاوت حضور اکرم ﷺ کی اُمت کے پہلے حصے نے ختم کر دی۔

آج ایک دفعہ پھر بغاوت پھیلی ہے۔ آج خدا کا ساتھ دینے کا مطلب دنیا بھر سے ٹکرا جانے کا نام نہیں۔ یہ اپنے آپ سے ٹکرا جانے کا نام ہے۔ یہ دنیاداروں کی سطحیت

چھوڑ دینے اور دین داروں کی سطحیت سے بلند ہوجانے کا نام ہے۔ یہ خدا کی یاد اور فردوس کی ابدی بادشاہی کی اُمید میں جینے کا نام ہے۔ یہ ربّ کی بندگی اور اس کی محبت کے احساس کو زندگی بنالینے کا نام ہے۔ یہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کا نام ہے۔ یہ اعلیٰ اخلاقی زندگی کو اختیار کرنے کا نام ہے۔ یہ عجز و اعتراف کی نفسیات میں ڈھل جانے کا نام ہے۔

خدا کی وفاداری میں جینے والے شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو انسانوں سے متعلق خدا کا منصوبہ بتائے۔ انہیں اس زندگی کی طرف بلائے جو کل قیامت کے بعد شروع ہوگی۔ دنیا کی سطحی چیزوں کی بے معنویت لوگوں پر واضح کرے۔ وہ لوگوں کو اشیاء سے اُٹھا کر حقائق کی طرف لائے۔ ظاہری اعمال سے اُٹھا کر اعلیٰ اخلاق کی طرف لائے۔ مادّیت کے بنجر صحرا سے نکال کر معرفت کی سرسبز وادی میں لائے۔ دنیا کی محبت سے ہٹا کر جنت کی نعمتوں کی حبّ شدید میں مبتلا کردے۔ دنیا کی سختیوں کو غیر اہم بنا کر آخرت کے عذاب کو اہم تر کردے۔

## خدا آرہا ہے:

خدا بہت جلد آرہا ہے۔ اب دیر نہیں رہی۔ وہ غیب کا نقاب اُلٹ کر اپنے نور سے زمین کی تاریکیوں کو اُجالوں میں بدلنے والا ہے۔ آج اس کے ملک میں بغاوت ہے۔ مگر یہ آخری بغاوت ہے۔ اب جلد وہ اپنی زمین میں فیصلہ کن طور پر اپنا اقتدار بحال کرنے والا ہے۔ وہ زلزلۂ قیامت برپا کرنے والا ہے۔ وہ انسانی اقتدار کے ایک ایک نام ونشان کو مٹا کر اپنی عظمت سے زمین کو ہموار کرنے والا ہے۔ وہ ہر ظلم اور بربریت کی ہر طاقت کو لگام ڈالنے والا ہے۔ اس نئی بغاوت کے بس آخری دن ہیں۔ جو ان چند دنوں میں خدا کی طرف سے لڑنے کیلئے اُٹھ گیا... جو خدا کے لئے جی لیا، جو خدا کیلئے مرگیا، وہ ہوگا جس کے سر پر بہت جلد وفاداری کا تاج رکھا جائے گا۔

آخری پیغمبر کو خدا نے دکھادیا کہ کس طرح وقت کے فرعونوں، ابوجہل، ابولہب کو ہلاک کردیتا ہے اور کس طرح مظلوم اور کمزوروں کے قدموں میں قیصر کسریٰ کے تاج لا ڈالتا ہے۔

# اسلام میں سلام کی اھمیت

(امتیاز احمد)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔"وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہرعیب سے)، سالم امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا۔خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے"۔(الحشر 23)

اس سورہ مبارکہ میں سلام اللہ کے برگزیدہ ناموں میں سے ایک نام ہے۔آیئے ہم لفظ 'سلام' کے معنی، اہمیت اور استعمال جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

ظہورِ اسلام سے قبل اہلِ عرب آپس میں ایک دوسرے کو حیاک اللہ، بمعنی اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔مذہب اسلام نے اسکی جگہ سلام کا ایک انتہائی پرمعنی طریقہ بتایا وہ یہ ہے "السلام علیکم" جس کے معنی ہیں اللہ تمہیں ہر طرح کے رنج و غم، نقصان اور تکلیف سے محفوظ و مامون رکھے۔

احکام القرآن میں ابن العربی فرماتے ہیں۔السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے، جس کا مطلب "اللہ تمہارا نگہبان ہو" نکلتا ہے۔

مذہب اسلام میں سلام کا یہ طریقہ دنیا کے دیگر مذاہب کے تمام طریقوں سے بہتر اور بامعنی ہے جن کی مندرجہ ذیل تین وجوہات ہیں:

1- سلام صرف محبت اور خلوص کے اظہار ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی معقول طریقہ سے اپنے اسلامی بھائی کے لئے ایک مختصر مگر مکمل دعا بھی ہے۔سلام کرنے والا خلوص، دل سے دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ آپ کو سلامتی دے بلکہ آپ کو ہر دکھ، تکلیف، مصیبت، پریشانی اور ہر رنج و غم سے محفوظ و مامون رکھے۔یہ طریقہ سلام اس طریقہ سلام سے کہیں زیادہ بامعنی اور جامع ہے جو ظہورِ اسلام سے قبل اہل عرب ایک دوسرے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

2- سلام کا یہ طریقہ ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے کہ ہم ہر حالت میں اللہ کے محتاج ہیں ۔ اللہ کی مرضی کے بغیر نہ کوئی کسی کو کوئی فائدہ ہی پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، اس طرح سلام ہر مسلمان کو اپنے عبد اور اللہ کے معبود ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے ۔

3- یاد رکھئے کہ جب بھی کوئی آپ کو یا آپ کسی کو سلام کرتے ہیں تو آپ دونوں گویا اس بات کا عہد کرتے ہیں بلکہ آپ ایک طرح سے اللہ کو حاضر ناظر جان کر یہ کہتے ہیں کہ اے میرے بھائی تجھے میری زبان اور میرے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ۔ بلکہ یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ تیری زندگی اور تیری عزت اور آبرو پر بھی میری طرف سے کوئی آنچ نہیں آئے گی !

ابن العربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں: تم جانتے ہو سلام کیا ہے؟ سلام کرنے والا اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ تمہیں اس کی طرف سے کسی بھی قسم کا کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا ۔ اس لئے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

۱۔ سلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جامع دعا ہے ۔ ۲۔ سلام ایک یاد دہانی ہے ۔

۳۔ سلام دو مسلمانوں کے درمیان محبت اور خلوص کا عہد ہے ۔

۴۔ سلام ایک عہد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا محافظ اور نگہبان ہے ۔

حضور ﷺ نے فرمایا: سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے اس کے مسلمان بھائی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے ۔ اگر ہم مسلمان صرف اس ایک حدیث کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو میرا دعویٰ ہے کہ آج بھی پوری امتِ مسلمہ محبت اور خلوص کے اٹوٹ بندھن میں بندھ سکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سلام کی عادت کو عام کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ یہ سب نیک کاموں میں سے ایک نہایت اہم نیکی ہے اس بارے میں حضور ﷺ کی کئی احادیث موجود ہیں جن سے سلام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ تم مومن (ایمان والے) نہ ہو اور تم ایمان والے

اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے محبت اور خلوص سے پیش نہ آ ؤ۔ آ ؤ آج میں تم کو ایسی بات بتاؤں جس کے عام کرنے سے تمہاری باہمی محبت میں یقیناً اضافہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ تم جب بھی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملو تو اسے سلام کیا کرو، چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو"۔(مسلم)

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا تمام اعمال میں سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (1) دوسروں کو کھانا کھلانا۔(2) آپس میں سلام قائم کرنا، چاہے تم ایک دوسرے کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو"۔(صحیحین)

ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے اللہ کے سب سے نزدیک وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے"۔(مسند احمد/ترمذی/ابوداؤد)

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا 'سلام' اللہ کے ناموں میں سے ایک اہم نام ہے اس لئے ہمیں سلام کو عام کرنا چاہیے۔ جب کوئی کسی کو سلام کرتا ہے اور اگر کوئی اس کے سلام کا جواب نہ دے تو اس صورت میں اللہ کے فرشتے اس کے سلام کا جواب دیا کرتے ہیں"۔(مسجد، بزار، معجم کبیر طبرانی)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا" صحیح معنوں میں بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے"۔

ترجمہ: اور جب تم کو کوئی دعا دے (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) سے (اسے) دعا دو یا انہیں لفظوں سے دعا دو۔ بے شک خدا ہر چیز کا حساب لینے والا ہے"۔(سورہ النساء 86)

پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ سلام کا جواب ویسا یا اس سے بہتر دینا چاہیے۔ مثلاً وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سلام کا جواب نہ دینے والا گنہگار رہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سلام سے متعلق مزید وضاحت فرماتے ہوئے امت مسلمہ کو حکم دیا ہے کہ:

(1) سوار شخص پیدل چلنے والے کو سلام میں پہل کرے۔

(2) پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کوسلام میں پہل کرے۔(3) چھوٹا مجمع بڑے مجمع کوسلام کرے۔
(4) محفل سے اٹھ کر جانے والا باقی بیٹھے ہوئے لوگوں کوسلام کرے۔
(5) گھر سے باہر نکلتے وقت اور داخل ہوتے وقت سلام کرے خواہ گھر میں کوئی بھی نہ ہو۔اس سلام کا جواب فرشتے دیں گے۔(6) کسی ایک ہی شخص سے جتنی بار ملاقات ہو اتنی بار سلام کرے۔

تین حالتوں میں سلام کا جواب نہ دینے کا حکم ہے!

(1) نماز کی حالت میں، اگر نماز کے دوران جواب دیدیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔
(2) جب کوئی قرآن حکیم کی تلاوت کررہا ہو، یا جب موذن اذان دے رہا ہو یا اقامت بول رہا ہو یا کوئی خطیب اسلام کا درس دے رہا ہو۔(3) جب کوئی غسل یا حاجت وغیرہ میں مشغول ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مزید وضاحت فرمائی ہے:

ترجمہ: اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (ان سے) سلام علیکم کہا کرو۔خدا نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کرلیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیکوکار ہوجائے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ہدایت فرما رہا ہے کہ آپ کے گرد جو غریب مسلمان جمع ہوں آپ ان کوسلام کہا کیجئے۔کیونکہ عرب کے امیر وکبیر کفارانِ قریش چاہتے تھے کہ حضورﷺ ان غریب مسلمانوں کو اپنے پاس نہ آنے دیں تاکہ امیر لوگ حضورﷺ کے ساتھ رہ سکیں لیکن اللہ کے رسول بحکم اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان غریبوں کوسلام کیا کرتے تھے جس سے ایک تو ان کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی ہوتی تھی اور دوسرے ان نادار اور مفلس مگر پرخلوص مسلمانوں کے لئے یہ خوشخبری بھی تھی کہ اگر یہ لوگ کوئی غلطی بھی کر بیٹھیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو معاف فرمادیں گے۔
اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کوسلام کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

# ناشکری (انسانی گھٹیا صفت)

(محمد نواز زومانی)

انسان کے خمیر میں کچھ ایسی گھٹیا و اسفل صفات ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ ہو تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ گوشت کا لوتھڑا، انسان کا دل ہے اور قلب سے متعلقہ ناقص صفات کو عملی جامہ پہنانے میں زیادہ تر زبان اور ہاتھوں کا تعلق ہوتا ہے اور ان کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ مومن وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں۔

وہ انسانی صفات جو سب سے گھناؤنی اور سیدھی و سچی راہ سے بھٹکا کر قعرِ مذلت میں پھینکنے اور شیطان کی غلامی میں لے جانے والی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا ہے:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ دہر آیت 2 اور 3 میں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ افضل البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا۔ (حیاۃ الصحابہ ج 9 ص 453)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شافع محشر ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا ناشکری ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ج 9 ص 453)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت شکر کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور شکر زیادتی کے ساتھ اور یہ دونوں ایک ہی سلسلہ سے منسلک ہیں۔

نعمت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس کے شکر کی ادائیگی بندہ کی جانب سے ختم ہو جاتی ہے۔(حیاۃ الصحابہ ج7،ص707)۔حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں ''جو عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر نہیں لگاتا وہ ناشکری کرتا ہے اور اپنا ہی برا کرتا ہے۔جس نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے اس کی برکت برقرار رہتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔انسان کے پاس چھلکا ہی رہ جاتا ہے جو سوائے آگ میں جلانے کے اور کسی کام نہیں آتا''۔(ماہنامہ احتساب 1972)۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل شکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ دیا جاتا ہے لہٰذا تم زیادتی کی تلاش کرو۔ اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے "اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نعمت دوں گا"۔ (حیاۃ الصحابہ ج7،ص707، کنز ج2 ص151)۔

شکر جس طرح قول اور ارادہ سے ہوتا ہے فعل سے بھی ہوتا ہے۔حضرت فضل شاہ قطب عالمؒ فرماتے ہیں قول کا شکریہ قول سے، اعمال کا شکریہ اعمال سے علم کا شکریہ علم سے اور اخلاص کا شکریہ اخلاص سے ادا ہوتا ہے۔(خطبات فاضلی)۔حضرت عبدالرحمٰن سلمیؒ سے مروی ہے کہ نماز بھی شکر ہے اور روزہ بھی شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں شکر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور نیک عمل ہے۔آلِ داؤد دونوں طرح کا شکر ادا کرتی تھی قولاً اور عملاً بھی۔(تفسیر ابن کثیر پ22 ص47-48)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان گنت نعمتیں عطا فرمائی ہیں لیکن یہ ذرا سی تکلیف پر فوراً ناشکرا بن جاتا ہے۔ربّ کریم نے انسان کو بہت کچھ دے رکھا ہے اگر وہ اس سے واپس لے لے یا نقصان میں ڈال دے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ناشکرا بن جاتا ہے۔اس کی معیت سے کنارا کشی کر کے دوسروں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ حالانکہ ربّ کریم نے سورہ البقرہ آیت 152 میں حکم دیا ہے: ''میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا''۔میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ربّ العزت کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ''مجھے یاد رکھ بھول نہیں! کیونکہ یاد شکر ہے اور بھولنا کفر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''خدا کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد رکھتا ہے اس کے شکر کرنے والے کو بھی زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے''۔ بزرگانِ سلف سے مروی ہے کہ ''اللہ کریم سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی سے بچا جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے''۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کا زوال صرف ناشکرے پر ہی نہیں پڑتا بلکہ پوری قوم پر اثر پڑتا ہے۔ سورہ ابراہیم آیت 28 میں ہے:

''کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتارا''۔ حضرت انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری کا مرتکب کب ہوتا ہے اس کا ذکر اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر فرمایا ہے۔

سورہ ھود آیت 9 تا 11 میں ہے: "اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اس سے لے لیں تو وہ بہت ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم اسے کوئی نعمت پہنچائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رہیں۔ یقیناً وہ بڑا ہی خوش ہو کر فخر کرنے لگتا ہے سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں انہی لوگوں کے لئے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا نیک بدلہ بھی۔

سورہ نحل آیت 53 تا 55 میں ہے: "تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس کی طرف نالہ وفریاد کرتے رہو اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی کہ تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔ اچھا کچھ فائدہ اٹھا لو تو آخر کار تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔

سورہ بنی اسرائیل آیت 67 میں ہے: "سمندر میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں پکارتے تھے سب کو گم کر جاتے ہیں صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے"۔

سورہ النمل آیت 73 میں ہے: "اور یقیناً تیرا پروردگار تمام لوگوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں"۔

سورہ روم آیت 34-33 میں ہے: "لوگوں کو جب کبھی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگتی ہے تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی۔ اچھا تم فائدہ اٹھالو ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔

سورہ لقمان آیت 32 میں ہے: "اور جب ان پر موجیں سائبان کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں۔ ہماری آیات کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں"۔

سورہ شوریٰ آیت 48 میں ہے: "ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے"۔

سورہ العادیات آیت 6 تا 8 میں ہے: "یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور یقیناً وہ خود بھی اس سے باخبر ہے۔ یہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے"۔

ان آیات مبارکہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسان جب مصیبت وابتلا میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑے خلوص کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے بتائے ہوئے راستے پر

گامزن رہے گا۔اس کا صحیح معنوں میں بندہ بن کر رہے گا لیکن جونہی اللہ تعالیٰ اسے مصائب و آلام سے نجات دیتا ہے تو پھر ناشکری کرنے لگتا ہے۔شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔فخر وغرور کرنے لگتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ اب اس کے سارے دکھ درد جاتے رہے ہیں اور اللہ کریم سے کئے ہوئے عہد کو بھول جاتا ہے مال و دولت کی محبت میں اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ اسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اس کی خاطر اپنی عاقبت خراب کر لیتا ہے۔

انسان اس حقیقت سے خود بھی باخبر ہوتا ہے کہ وہ اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل عظیم ہے لیکن پھر بھی ناشکری کرتا ہے۔ایسے انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قطعی فیصلہ صادر فرما دیا ہے کہ وہ ناشکرے ہیں۔یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کان اور آنکھیں رکھنے اور دیکھنے سننے اور سمجھنے کے باوجود انسان اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے۔

سورہ ابراہیم آیت 34 میں ہے:"بے شک انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے"۔

سورہ نحل آیت 78 میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکر گزاری کرو"۔

سورہ حج آیت 66 میں ہے: "بے شک انسان ناشکرا ہے"۔

سورہ مومنون آیت 78 میں ہے: "وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو"۔

سورہ زخرف آیت 15 میں ہے: "بے شک انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے"۔

سورہ عبس آیت 17 تا 24 میں ہے: "انسان مارا جائے اللہ کا بھی کتنا ناشکرا ہے۔اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا۔ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے۔پھر اس کی تقدیر مقرر کی پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا پھر جب چاہے گا اسے

زندہ کردے گا۔ ہرگز نہیں اس نے اب تک اللہ کے احکام کی بجا آوری نہیں کی۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے"۔

اللہ رب العزت نے کان، آنکھیں اور دل اس لئے عطاء فرمائے ہیں کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت کا شکر بھی بغیر ایک نئی نعمت کے ہم ادا نہیں کر سکے کہ اس نئی نعمت پر ایک شکر واجب ہو جاتا ہے۔ پھر اس نعمت کی شکر گزاری کی ادائیگی کی توفیق پر پھر نعمت ملی جس کا شکر یہ واجب ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے جس کا مفہوم ہے:

"اگر ایک ایک رونگٹے پر زبان ہوتو بھی تیری ایک نعمت کا شکر پورا نہیں ہوسکتا۔ تیرے احسانات اور انعامات بے شمار ہیں"۔ (تفسیر ابن کثیر پ13 ص78)

اگر حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو انسان شکر اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے۔ شکر کرنے والے کو عطا کیا جاتا ہے لیکن ناشکر گزاری کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ سورہ لقمان آیت 12 میں ارشاد ربانی ہے:

"ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر۔ شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے۔ جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ جس کام کے کرنے کا حکم دے تو اس کے کرنے سے وہ یقیناً خوش ہوتا ہے اور جس کام سے منع فرمائے اور اس کو کیا جائے تو ناخوش ہوتا ہے۔ اگر علم ہو کہ محبوب کس بات سے خوش ہوتا اور کس بات سے ناخوش ہوتا ہے تو محبوب کو راضی کرنا کتنا آسان ہو جاتا ہے اور محبوب کی رضا کا راز جاننے کے باوجود اگر محبوب کو خوش نہ کیا جائے تو کس قدر افسوسناک اور بدنصیبی ہے سورہ زمر آیت 7 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اگر تم ناشکری کرو تو یاد رکھو اللہ تم سب سے بے نیاز ہے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں۔ اگر تم شکر کرو تو وہ اس کی وجہ سے تم سے خوش ہوگا۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا

پھر تم سب کو لوٹنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے تمہیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے رہے۔ یقیناً وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے"۔

حدیث پاک میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے سب اول آخر انسان و جن مل کر بدترین شخص کا سا دل بنالو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں وہ تمہیں اس کا حکم نہیں دیتا اور اگر تم اس کی شکر گزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضا مند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی نعمتیں عطاء فرمائے گا ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو۔ (صحیح مسلم) اس ضمن میں سورہ ابراہیم آیت 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت شدید ہے"۔

لیکن جو اتنی تنبیہ و وعید کے باوجود شکر گزاری اختیار نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔ ایسے انسانوں کے لئے سخت عذاب ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے"۔

سورہ البقرہ آیت 276 میں ہے: "اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا"۔

سورہ سبا آیت 17 میں ہے: "ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ دیا ہم ایسی سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں"۔

سورہ زمر آیت 3 میں ہے: "جھوٹے اور ناشکرے کو اللہ راہ نہیں دکھاتا"۔

# والدین سے متعلق اولاد کے فرائض

(امین احسن اصلاحی)

"اور تیرے ربّ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کر اور ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کر۔ اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں، تو نہ ان کو اُف کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے شریفانہ بات کہو اور ان کے لئے رحم دلانہ اطاعت کے بازو جھکائے رکھو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا"۔(بنی اسرائیل 24-23)

ان آیات سے وہی بات سامنے آئی کہ آدمی پر سب سے بڑا حق اس کے ربّ کا ہے، جو یہ ہے کہ وہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرے۔

دوسری بات جو سیاق وسباق سے نکلتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی بندگی کے سوا کسی اور کی بندگی کا روادار ہوتا تو وہ اولاد کو حکم دیتا کہ وہ اپنے والدین کی عبادت کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ بنایا۔ لیکن اس نے ان کی عبادت کا حکم نہیں دیا، صرف ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ تو جب وہ عبادت میں حصہ دار نہ بن سکے جن کو اللہ نے اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ بنایا تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

تیسری یہ کہ والدین کے معاملہ میں اولاد کے لئے امتحان کا اصلی مرحلہ اس وقت آتا ہے جب ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ حقدار تو ہوتے ہیں ،لیکن اکثر حالات میں محتاج نہیں ہوتے ،لیکن بڑھاپے میں وہ محتاج ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اسی طرح محتاج ہوں جس طرح اولاد اپنی شیر خوارگی اور طفولیت کے دور میں محتاج رہی ہے۔ اسی وجہ سے اس سے بجا طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کی اس شفقت و رحمت کو یاد کر کے جو انہوں نے اس کے بچپن میں اس پر کی ہے ان کے بڑھاپے میں ان کی خدمت کر کے ان کا حق ادا کرنے

کی کوشش کرے گا۔پس مبارک ہے وہ فرزند جس نے یہ حق پہچانا ! اس لئے کہ اس نے جنت حاصل کرنے کی وہ راہ اپنائی جس سے زیادہ آسان راہ جنت حاصل کرنے کی اور کوئی نہیں ہے۔ انسانی فطرت میں شفقت اور رحمت کا جو جذبہ قدرت نے اولاد کے لئے والدین کے اندر رکھا ہے وہی جذبہ رحمت وقربانی اولاد کے اندر والدین کے لئے رکھا ہے بشرطیکہ اولاد ان کے حق کو یاد رکھے۔اگر کسی کے اندر یہ جذبہ مردہ ہو گیا تو اس اعتبار سے وہ بدقسمت ترین انسان ہے کہ جنت حاصل کرنے کا وہ موقع اس نے کھو دیا جس سے زیادہ آسان موقع اس کو دوسرا ہاتھ آنے والا نہیں ہے یہی حقیقت نبی ﷺ سے یوں بیان ہوئی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی !اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی !! اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی !!! سوال کیا گیا کہ کس کی؟ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی جس نے اپنے ماں باپ کو، ان میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو، ان کے بڑھاپے میں پایا، لیکن جنت حاصل نہ کر سکا"۔

چوتھی نہایت اہم حقیقت یہ واضح ہوئی کہ والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی اگر عمر کی اس حد کو پہنچ جائیں جو ارذل عمر کہلاتی ہے، جس میں آدمی سمع وبصر اور ہاتھ پاؤں سے قاصر اور جملہ ضروریات میں دوسروں کا محتاج، بلکہ ان پر بوجھ بن کر رہ جاتا ہے تو گویا امتحان اولاد کے لئے ایک بڑا ہی صبر آزما امتحان ہے، لیکن اس کی وفاداری اور سعادت مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے دل کے اندر نہ ان سے بیزاری پیدا ہونے دے اور نہ تنگ آ کر کوئی کلمہ زبان سے ایسا نکال بیٹھے جو ان کی دل شکنی یا توہین کا باعث ہو۔ بلکہ سخت سے سخت حالات میں بھی وہی بات زبان پر لائے جو ایک بوڑھے ماں باپ کے لئے ایک شریف بیٹے کے شایان شان ہے۔ یہاں اسی امتحان سے آگاہ فرمایا گیا ہے:

"اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں تو نہ ان کو اف کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے شریفانہ بات کہو"۔(بنی اسرائیل 23)

لفظ 'اُف' عربی میں کسی چیز سے دل کی شدید بیزاری کی تعبیر ہے۔مثلاً قرآن میں ہے: اف لکم ولما تعبدون من دون الله (الانبیاء67)۔(تف ہے تم پر بھی اور ان چیزوں پر بھی جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو!)۔اس کے بعد لفظ نھر جو جھڑکنے کے معنی میں آتا ہے اسی قلبی بیزاری کا گویا اظہار ہے۔جب آدمی کے دل میں بیزاری پیدا ہو جائے تو لازماً لب و لہجہ میں خشونت اور کرختگی بھی پیدا ہو جائے گی۔پھر جب یہ برق خرمن سوز بوڑھی ماں اور بے بس باپ کے نازک دل پر گرے گی تو ایک طرف تو یہ ان کے سارے خرمن امید کو جلا کر رکھ دے گی اور دوسری طرف اولاد کے سارے کئے کرائے کو بھی خاک میں ملا دے گی۔نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو چیز اس کیلئے جنت کی ضامن بن سکتی تھی وہ اس کے لئے ابدی نامرادی اور تباہی کا سبب بن جائے گی

یہ نفسیاتی حقیقت ہر شخص کو یاد رکھنی چاہیے کہ اولاد بچپن میں خواہ کتنی ہی شدید بیماری میں مبتلا ہو اور اس کے سبب سے ماں باپ کتنے ہی دکھ میں مبتلا ہوں لیکن وہ انتہائی ناداری اور افلاس کے باوجود اولاد کو کبھی بار محسوس کر کے پھینکنے کے خواہاں نہیں ہوتے ، بلکہ اس کی صحت کی آرزو میں آخری لمحہ تک سینہ سے چمٹائے دردر لئے پھرتے ہیں کہ شاید کسی ڈاکٹر یا حکیم کی نظر کرم ہو جائے اور اگر ڈاکٹروں اور حکیموں تک نہیں پہنچ پاتے تو سیانوں اور جھاڑ پھونک والوں ہی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ شاید انہی کی توجہ سے ان کا بجھتا چراغ روشن ہو جائے۔اس جدوجہد میں وہ اپنے رات دن ایک کر دیتے ہیں۔دوسرے خواہ کتنے ہی مایوس ہو جائیں،لیکن وہ مایوس ہونے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ان کا یہ جذبہ رحمت کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ اس کو بھلا کر کوئی شریف ابن شریف چین کی نیند سو سکے، بلکہ وہ ان کے بڑھاپے میں ، اپنی نمازوں میں ، ان کے لئے برابر یہ دعا بھی کرے گا کہ؛ "اے میرے رب! ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا" (سورہ بنی اسرائیل24)۔اور ساتھ ہی ان کے ایک ایک سانس کو اپنے لئے دولت گراں مایہ سمجھے گا کہ ان کی خدمت کی ہر سعادت اس کے لئے جنت کی بشارت اور خوشنودی رب کی ضمانت ہے

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔(سنن الترمذی: کتاب البر والصلۃ باب 3)

پانچویں حقیقت جو آیت کے آخری الفاظ "اور ان کے لئے رحم دلانہ اطاعت کے بازو جھکائے رکھو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا"۔ ہیں وہ یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت واطاعت صرف رحمت کے جذبہ اور ان کی اس بے پایاں شفقت کے صلہ کی حیثیت سے ہونی چاہیے جو انہوں نے اولاد پر اس کے بچپن میں کی ہے۔

اس میں کسی ریاء کی خواہش یا لوگوں کی ملامت کے اندیشہ یا ان کے اموال و جائیداد کی طمع کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے ورنہ جس طرح ریا کی عبادت اور غیر مخلصانہ اطاعت کی **اللہ** تعالیٰ کے ہاں کوئی پوچھ نہیں ہے اسی طرح یہ خودغرضانہ خدمتِ والدین بھی اس کے ہاں کسی صلہ کی حقدار نہیں ٹھہرے گی۔اگر چہ یہ حقیقت کسی ایسے شخص کو سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہیں آ سکتی جس کو دین کی باتیں سمجھنے کا کچھ ذوق ہو،لیکن کسی کو اس میں کچھ تردد ہو تو اسے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ والدین کی صحیح خدمت کی راہ میں ایسا مرحلہ بھی پیش آنے کا امکان ہے جس میں اس شخص کے سوا کوئی دوسرا اس امتحان میں پورا اتر ہی نہیں سکتا جو اس محرک کے سوا، جو اوپر مذکور ہوا، کسی اور محرک کے تحت اس فرض کو انجام دینے کا ارادہ کرے گا۔صرف ایک ہی چیز اس کو سخت سے سخت امتحان میں بھی پابرجا رکھ سکتی ہے اس کو چھوڑ کر کہیں بھاگنے والے نہیں بن سکتے تھے درآنحالیکہ ان کو مجھ سے اس وقت کسی منفعت کی امید نہیں ہو سکتی تھی تو میرے لئے یہ بات کسی طرح جائز ہو سکتی ہے کہ میں ان کی خدمت سے گھبرا کر انہیں چھوڑ بیٹھوں جبکہ میں ان سے کم یا زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی توقع بھی رکھتا ہوں؟

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اسلام میں ماں باپ کی خدمت ایک عظیم عبادت بھی ہے اس امر کی وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے جہاد میں حصہ لینے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اس سے سوال کیا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی خدمت کرو، تمہارے لئے یہی جہاد ہے"۔(صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ و الآداب باب ۱)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ:

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اللہ کی رضا جوئی کے لئے آپ ﷺ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی حیات ہے؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! دونوں ہی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کے اجر کا طالب ہے؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان کی خدمت کر۔ جیسا کہ خدمت کا حق ہے۔

(صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب باب ۱)

اس خدمت کا یہ مزاج بھی مقتضی ہے کہ اس میں اخلاص کی شرط لازم ہو، اس لئے کہ اسلام میں کوئی خدمت اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔

# ذکرِ کثیر

(عبدالرشید ساہی)

دم دم نال یاد اونوں کر لے ۔ تے یار تینوں مل جائے گا

سنگ نال فقیراں دے کر لے ۔ تے یار تینوں مل جائے گا

اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا۔ بندہ مومن کے دل میں جب اپنے پروردگار کا خیال پوری طرح بس جاتا ہے تو پھر وہ مقررہ اوقات میں کوئی عبادت کر لینے ہی کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ ہمہ وقت اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھتا ہے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

قیس دم بھر کے لیے بھی ساتھ ناقہ کا نہ چھوڑ

کیا خبر لیلیٰ الٹ دے پردہ محمل کہاں

بندہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھتا ہے تو سبحان اللہ کہتا ہے۔ کسی کام کی ابتدا کرتا ہے تو بسم اللہ سے کرتا ہے، کوئی نعمت پاتا ہے تو الحمد للہ کہہ کر خدا کا شکر بجالاتا ہے۔انشاءاللہ اور ماشاءاللہ کے بغیر اپنے کسی ارادے اور کسی عزم کا اظہار نہیں کرتا۔ اپنے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہے۔ہر آفت آنے پر اس کی رحمت کا طلبگار رہتا ہے۔ میاں محمد بخش فرماتے ہیں۔

اول حمد ثناء الٰہی جو مالک ہر ہر دا

اس دا نام چتارن والا کسے میدان نہیں ہردا

جو انسان ہر مشکل میں خدا تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا بلکہ خدا اپنے بندے کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اس کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ

خدا وہ کیا ہے جو بندہ سے احتراض کرے

جو بندہ سوتے وقت اسکو یاد کرتا ہے، اٹھتا ہے تو اس کا نام لیتے ہوئے بیدار ہوتا ہے۔ غرض ہر موقع اور ہر معاملے میں اس کی زبان پر اللہ کا نام ہوتا ہے۔ پھر یہی نہیں وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، روزہ رکھتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے۔ برائی سے بچتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اگر برائی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو فوراً اللہ کو یاد کرتا ہے اور فوراً اپنے رب سے رجوع کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حر کے لیے جہاں میں فراغ

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک صورت فکر بھی ہے۔ خدا کی اس دنیا کو دیکھیں تو اس میں ہزاروں مخلوقات ہیں۔ ان کی رنگا رنگی اور بوقلمی ہے پھر عقل انسانی اور اس کے کرشمے ہیں۔ سمندروں کا تلاطم ہے، دریاؤں کی روانی ہے، لہلہاتا سبزہ اور آسمان سے برستا ہوا پانی ہے، لیل و نہار کی گردش ہے ہوا اور بادلوں کے تصرفات ہیں۔ زمین و آسمان کی گردش اور ان کی حیرت انگیز ساخت ہے، ان کی نفع انسانی اور فیض بخشی ہے ان کی مقصدیت اور حکمت ہے۔ پھر انفس اور آفاق میں خدا کی وہ نشانیاں ہیں۔ جو ہر آن نئی شان سے نمودار ہوتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے فرشتوں کی مجلس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں، وہ اگر چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں۔

روبرو اک خوبرو ہے میں نہیں — اس کا جلوہ چار سو ہے میں نہیں
درد میں دل میں جگر میں سوز میں — اس کا جلوہ جا بجا ہے میں نہیں

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اللہ کو یاد کرنے والوں کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پھر وہ جہاں ایسے لوگوں کو پا لیتے ہیں جو اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ ہمارا مطلب حاصل ہو گیا پھر وہ پہلے آسمان تک اپنے سروں سے ان پر منڈلاتے رہتے ہیں پھر اپنے رب کی طرف چلے جاتے ہیں۔

ذکر کثیر کی بدولت سالک کے دل میں ایک ایسا سرور و نشہ پیدا ہوتا ہے، جس کے مزے میں دل و دماغ بڑے سے بڑے فکر اور صدمے کا اثر قبول نہیں کرتا دوسرے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور ایسی لگن لگتی ہے کہ بڑے سے بڑے صدمے اور فکر کا اثر پانچ دس منٹ سے زیادہ دل و دماغ پر مسلط نہیں رہنے پاتا۔ چونکہ سالک ہر معاملے کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے اور ہر بات میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس لیے وہ رنج و الم سے اس قدر متاثر نہیں ہوتا جس قدر عام عوام ہوتے ہیں وہ چونکہ خدا سے محبت کرتا ہے اس لیے خدا کی بھیجی ہوئی کوئی چیز بھی اس کو بری نہیں لگتی۔ محمد بخشؒ فرماتے ہیں۔

جنہاں دکھاں وچ دلبر راضی اونہاں تو سکھ وارے

دکھ قبول محمد بخشا راضی رہن پیارے

ہر وہ شے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے راہِ سلوک کی رکاوٹ ہے۔ ذاکر جو مخلوقِ خدا سے محبت کرتا ہے اس کا اپنے خالق کو نشانی سمجھ کر کرتا ہے اس کے علاوہ وہ سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی توقع رکھتا ہے اور ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہ کر خوش رہتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

یہ عالمِ ملکوتی ، یہ علمِ لاہوتی حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

# توحید خالص، ایمان کی اصل اساس

(خالد دانش) بشکریہ ایکسپریس

توحید، دین اسلام کی اصل اساس ہے۔توحید پر ہمارے دونوں جہاں کی فوز وفلاح کا دارومدار ہے۔توحید، ہماری نجات آخرت کی ضمانت اور تمام عقائد کی جڑ ہے۔عقیدہ توحید کی صحت کے بغیر انسان جہنم سے نہیں بچ سکتا۔اللہ عزوجل کی رحمت اور رسول اکرمﷺ کی شفاعت کا مستحق نہیں ہوسکتا اور جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔یعنی عقیدہ توحید پر کفر وایمان اور آخرت کی نجات وعذاب کا دارومدار ہے اور عقائد ہی اصل دین وایمان ہیں۔اسلام کامل دین اور ہماری سرخروئی وسرفرازی کا کفیل وضامن ہے،بشرطیکہ ہم سچے مسلمان ہوں۔جو بندہ کلمہ توحید پڑھ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ میں اللہ واحد کے سوا کسی کو معبود تسلیم نہیں کرتا،اور میں اپنے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کروں گا۔جو انسان اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھے گا،اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ سے روایت ہے کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے اس کا مقصد صرف اللہ کی رضامندی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کردیں گے۔

اگر انسان اپنے اعمال بد کی پاداش میں جہنم کے اندر ڈال دیے گئے تو توحید کے باعث اللہ رب العزت اپنی رحمت خاص سے انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے،

نبی کریمﷺ نے فرمایا:''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہوجائیں گے اور ارادہ فرمائیں گے کہ اہل نار میں سے (بعض کو) اپنی رحمت سے نکالیں،اور جنت میں داخل کریں تو ملائکہ کو حکم دیں گے۔

''جو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا تھا، اسے دوزخ سے نکال لو اور فرشتے اسے دوزخ سے نکال لیں گے۔'' (صحیح بخاری)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ عقیدہ توحید پر کامل یقین اور اخلاص سے عمل کرنے والے مسلمانوں پر روزِ محشر اللہ پاک اپنا خصوصی کرم، فضل، رحم اور عنایت فرمائیں گے اور محض اپنے کرم و عطا سے مسلمانوں سے درگزر فرمائیں گے۔

سورۃ المائدہ میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ: ''یقین مانو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی اور کو بھی) شریک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گناہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو اس حالت میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اوروں کو پکارتا تھا، تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

شرک عام گناہ نہیں بلکہ گناہ عظیم ہے۔ یہاں ایک اہم نقطے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ نجات آخرت کا دارومدار ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول ﷺ پر بھی ہے۔ اللہ کی توحید پر بھی صحیح ایمان، رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے بغیر حاصل ہو نہیں سکتا۔ ایمان بالرسول ﷺ ہی در حقیقت ایمان باللہ کا ذریعہ ہے۔ اور پھر صرف شہادت توحید و رسالت ہی تک ایمان محدود نہیں ہے، بلکہ ایمان کی چند شرائط اور بھی ہیں، جب تک ان پر ایمان نہ ہو، کوئی بھی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب تک بندہ ان باتوں پر ایمان نہ لائے وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا، کہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اور موت پر اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہو۔'' (مشکوٰۃ)

شہادت توحید و رسالت ﷺ کے بعد موت و بعث بعد الموت (قیامت) تقدیر، ملائکہ، کتب آسمانی اور جمیع رسل پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ دراصل عقائد کی درستی ہی دین ہے۔ اللہ جل شانہ کے احکامات کو حضور اکرم ﷺ کے طریقوں کے مطابق پورا کرنا ہی اصل دین ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت ہے۔'' موطا ابن ماجہ، ابو داؤد۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: دین اسلام کی دو اصل ہیں، جو شخص ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دے تو نہ اس کا کوئی عمل معتبر ہے اور نہ ہی دین۔ ایک یہ کہ ہم اللہ واحدہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، دوسرا یہ کہ اللہ کی عبادت شریعت کے مطابق کریں نہ کہ بدعت اور اپنے ایجاد کردہ طریقوں کے مطابق اور یہی کلمہ طیبہ کی حقیقت ہے۔

تو بات واضح ہوگئی کہ توحید کے ساتھ رسالت ﷺ پر ایمان لازمی ہے، بلکہ یوں کہیے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور حکم کو حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر پورا کرنا ہی اصل دین ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی سمجھ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن مجید اور حضور اقدس ﷺ کی مبارک زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

# قربانی حسینؓ، امت مسلمہ کے لیے پیغام

(ماجد محمود۔مرکز تعمیر ملت)

صدق خلیل بھی ہے عشق،صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

واقعہ کربلا نے اسلام اور مسلمانوں کی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کو مختلف حوالوں سے دیکھا جاتا ہے۔واقعات کو زیادہ رقم کیا جاتا ہے لیکن حقائق سے پردہ کم اٹھایا جاتا ہے۔

آیئے آج اس واقعہ کو اس حوالے سے دیکھیں کہ واقعہ کربلا مسلمانوں کے لیے کیا پیغام دیتا ہے۔ویسے تو اس واقع کو بہت سی جہتوں اور حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے لیکن ہم صرف تین پہلوؤں کو زیر بحث لائیں گے۔

۱:حضرت امام حسینؓ کا کردار و ایثار ۲:منافقین کا کردار ۳:موجودہ دور اور اسوہ حسین

۱:حضرت امام حسینؓ کا کردار و ایثار

واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے کردار و ایثار، بلند ہمتی اور رواداری پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔تمام مصائب و آلام کو آپ نے جس بلند ہمتی اور جرات سے اللہ کی رضا سمجھ کر برداشت کیا ہے وہ آپ ہی کا عمل ہوسکتا تھا۔

واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؓ نے مسلمانوں کے لیے سبق چھوڑا ہے کہ سب کچھ لٹا دو مگر حق کو باطل کے سامنے جھکنے نہ دو۔آپ نے اپنی جان ،مال و اولاد سب کچھ قربان کر دیا لیکن حق کو باطل کے سامنے جھکنے نہیں دیا۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ کی رگوں میں حضرت علیؓ کا خون دوڑ رہا تھا جن کی جرات و بہادری اور حق کا ساتھ دینا کسی سے نہاں نہیں ہے۔اور آپ کی رگوں میں حضرت فاطمۃؓ الزہرہ کا

دودھ تھا جن کی آمد پر تاجدار نبوت خود کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔حضرت امام حسینؓ نے اس نسبت کی لاج رکھی۔

۲: منافقین کا کردار

منافقین کا گروہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا تھا۔جن کا مقصد ہی اسلام کو نقصان پہنچانا اور ختم کرنا تھا جس کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے منافقین کی سازشوں سے آگاہ فرما دیتے اور منافقین کی سازشیں ناکام ہو جاتیں جیسا کہ مسجد ضرار کا واقعہ۔بعد میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی سختی کی وجہ سے ان کی ایک نہ چلی۔لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں آپ کی نرم طبیعت کی وجہ سے منافقین کھل کر سامنے آ گئے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔مسلمانوں پر پہلا وار یہ ہوا کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گئے اور پھر منافقین نے اس خلیج کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس کا نتیجہ سانحہ کربلا کی شکل میں نمودار ہوا۔اس سے زیادہ وہ اسلام کو کیا نقصان پہنچا سکتے تھے کہ رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی طاقت خانوادہ رسول ﷺ کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئی۔یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ اتنے بڑے واقعات ایک دن میں رونما نہیں ہو جاتے ان کے پیچھے کئی سالوں کے مختلف عوامل و عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔

سانحہ کربلا کے پیچھے جہاں اور بہت سے عوامل کارفرما ہو سکتے ہیں وہاں منافقین و کفار کا کردار بھی بہت اہم ہے۔کفار و منافقین تو شروع ہی سے اسلام کے دشمن تھے اور جب بھی موقع ملتا اسے مختلف طریقوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔تاریخ اسلام کا یہ عظیم سانحہ منافقین اور دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ہی وقوع پذیر ہوا۔

موجودہ دور اور اسوہ حسینؓ

کفار و منافقین نے اسلام کے شروع ہی سے اسے ختم کرنے کی کوشش کی ہے

اس مقصد کے لیےانہوں نے مختلف طریقے اور حربےاستعمال کیے ہیں۔کفار و منافقین کا جو سب سے زیادہ موثر طریقہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا انہوں نے استعمال کیا وہ مسلمانوں کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں بانٹنا ہے کیوں کہ یہ ایک سادہ سا اصول ہے کہ جب ایک بہت طاقتور چیز کو مختلف چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ کر تقسیم کر دیا جائے تو اس کی طاقت منتشر ہو جاتی ہے اور یہی حربہ انہوں نے سب جگہ استعمال کیا ہے اور آج بھی آزمایا جا رہا ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہیں۔یعنی مسلمانوں کی طاقت وقوت کو مسلمانوں کے خلاف ہی استعمال کیا جائے۔ مسلمانوں کے درمیان انہوں نے اتنی منافرت بڑھا دی ہے کہ مسلمان اپنی قوم کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔اس صورت حال میں ہماری ذمہ داری بقول اقبالؒ یہ ہے کہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

اسوہ حسینؓ کی پیروی کرتے ہوئے آج ہمیں اسلام اور مسلمانوں کی کشتی کو گرداب سے نکال کر کنارے لگانا ہوگا۔

آج ہر طرف سے اسلام کو کفار و مشرکین نے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہیں۔اس وقت منافقین کے ذریعے مسلمانوں کو تقسیم کر کے آپس میں لڑاتے تھے تو آج اپنی خفیہ ایجنسی کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں اور طریقہ اور ہتھیار وہی استعمال کر رہے ہیں یعنی مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کر دیا جائے ان کی آپس میں محبت کو ختم کر دیا جائے۔

اس وقت عالم اسلام کی جو حالت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسوہ شبیری کو اپنا رہنما بنا کر اس سے اپنی بکھری ہوئی طاقت کو مجتمع کریں تا کہ ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکیں۔

بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعمیر ملت میں ارشاد فرمایا ہے۔

”کہ حسینؓ نے ان تمام بیماریوں کا علاج یہی بتایا تھا کہ اگر قوم پر کوئی وقت ایسا

آن پڑے جب کوئی دوا با اثر اور کوئی نسخہ کارگر نہ ہو تو اس وقت صرف یہی علاج ہے کہ اپنی جانوں کی قربانی دو اور شجرِ اسلام کو اپنے خون سے سینچو۔ اے مسلمانو! اگر تم حسینؓ کے عاشق اور اس کی شایانِ شان یادگار منانا چاہتے ہو تو اٹھو اور اسلام کو بچانے کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دے ڈالو۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ بلاوجہ جہاد کر دو اور مسلمانوں کے گرد و پیش جتنی غیر مسلم قوتیں راج کر رہی ہیں ان پر چڑھ دوڑو۔ یہ بات تو خدا اور رسول کے حکم اور تعلیم کے خلاف ہے۔ جہاد تو صرف وطن و ملت کی مدافعت میں جان دینے کا نام ہے۔

اللہ کی راہ میں جان دینے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں اور بھی طریقے ہیں۔ کیا یہ طریقہ کچھ کم ہے کہ قوم کو بوقتِ ضرورت مدافعت کی غرض سے تیار کرنے کے لیے اپنی جانوں کو وقف کر دو۔ خدم و حشم کو تیاگ دو۔ ملبوسات فاخرہ اتار ڈالو۔ مسافرانہ اور سپاہیانہ زندگی اختیار کرو۔ سادہ کھاؤ، سادہ پہنو، اپنا روپیہ اور دولت سامان حرب کی فیکٹریاں کھولنے اور ایٹم اور ہائیڈروجن بم بنانے میں صرف کر دو اور کام کرو قوم کی اصلاح و فلاح اور تنظیم کے لیے کوشش کرو مسلمانوں میں اخلاق اور ایمان و عمل کی روح پھونکنے کے لیے جانیں لڑا دو۔ آپس کے فرقہ وارانہ اور طفلانہ اختلافات مٹانے کے لیے۔ ہاں اٹھو اور کام کرو ان مقاصد عالیہ کے لیے۔ اپنی جانوں کو گھلا دو اپنی روحوں کو پگھلا دو، اپنی ہستی کو مٹا دو اور کام کرتے رہو۔ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ اسلام اور مسلمان پھر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیں۔ اور ملت اسلامیہ پھر ایک ایسی ''بنیان مرصوص'' بن جائے کہ جو اس سے ٹکرائے پاش پاش ہو کر رہ جائے۔ مسلمانو! شہادت حسینؓ کی یادگار منانی ہے تو اس طرح مناؤ۔ کیا تم حسینؓ کے پیغام شہادت کی تعمیل میں اتحاد اسلام کے لیے اتنا کچھ نہیں کر سکتے جتنا پچھلی تحریک میں بھارت کے ہندوؤں نے گاندھی کے مرن برت سے متاثر ہو کر انگریز جیسی جابر و قاہر قوم کے خلاف متحد ہو کر، کر دکھایا؟''

# غیر مسلم آخر اسلام کیوں قبول کرتے ہیں؟

(ڈاکٹر اختر احمد)

(گزشتہ سے پیوستہ)

مکرم اسماعیل جزائرسکی اپنے قبول اسلام کی داستان یوں بیان کرتے ہیں۔ میں پولینڈ کے شہر کراکوف میں پیدا ہوا۔ میرا تعلق پولینڈ کے اونچے درجے کے ایک گھرانے سے ہے۔ میرے والد دہریے تھے، مگر انہوں نے اپنے بچوں سے رومن کیتھولک مذہب کی تعلیم حاصل کرنے پر کوئی تعرض نہیں کیا۔ اصل میں یہ مذہب ہماری والدہ کا تھا میری عمر ابھی سولہ سال ہی کی تھی کہ رومن کیتھولک چرچ کے مختلف توہمات نے مجھے مذہب سے نفرت کی حد تک بیزار کر دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان توہمات کا پرچار حتمی و بنیادی عقائد کی حیثیت سے کیا جاتا ہے مثال کے طور پر یہ تصور بھی وحشت ناک تھا کہ عشائے ربانی میں روٹی اور شراب حضرت عیسیٰؑ کے خون اور گوشت میں بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح پادریوں کا خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ بننا، پوپ کا معصوم الخطا ہونا اور پراسرار طلسمی نوعیت کے لفظوں اور اشاروں کی تاثیر کا تصور اور اسی طرح کے دوسرے توہمات میرے دل میں بیزاری کا شدید احساس پیدا کرتے تھے۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں مذہب پر سارا اعتماد کھو بیٹھا پھر خدا نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ انسانیت کو پھر کسی اعلیٰ و ارفع نصب العین کی ضرورت ہے اگر وہ مثالی نصب العین نہ ملا تو بنی آدمؑ مکمل تباہی کے عمیق غاروں میں ڈوب جائے گا۔ میرا وجدان کہتا تھا کہ نوع انسان کی رہنمائی وہی مذہب کر سکتا ہے جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایک مکمل اور جامع ضابطہ حیات پیش کرتا ہے جب روحانی پیاس بہت بڑھ گئی تو میں نے تلاش حق کی خاطر مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا بالآخر میں نے اسلام کو دریافت کر لیا میں نے اسلام کی صورت میں ایک مکمل اور بے عیب قسم کا

ضابطہ حیات پالیا جوزمین پر اللہ کی شہنشاہیت قائم کرنے میں ذاتی اوراجتماعی سطح پرانسان کی پوری رہنمائی کرتا ہے سارے اہل اسلام کونسل، زبان، ثقافت، رنگ اور علاقے کی حدبندیوں سے نکال کرایک رشتہ اخوت میں پرودیا گیا ہے۔بہر حال میں خدائے عزوجل کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے کفروضلالت کے اندھیروں سے نجات دی اوراسلام کی روشن صراط مستقیم پر لاکھڑا کیا۔

ایچ۔ایف۔فیلوز جوکہ انگلستان میں رہائش پذیر تھے۔اپنے قبول اسلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ برطانیہ کی شاہی بحریہ میں گزارا ہے۔سمندر میں جب بھی خوف وخطر کی ایسی کوئی حالت درپیش آئی میں بے اختیار محسوس کرتا کہ دل میں صرف ایک ہی ہستی کا خیال آتا اور روح کی گہرائیوں سے فریاد کی جواہریں پیدا ہوئیں ان کی منزل وحدہ لاشریک ہوتی ،مگر عیسائی گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر اب تک مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ دنیا کا نظام تثلیث پر قائم ہے، باپ، بیٹا اور روح القدس لیکن میرا ضمیر اس فارمولے کو ماننے سے گریز کرتا رہا۔مزید غور کیا تو عیسوی مذہب میں بہت سی اور بھی نا قابل فہم باتیں نظر آئیں ۔مثال کے طور پر کفارے کا فلسفہ سمجھ میں نہ آیا۔میں اکثر سوچتا کہ جب ہمیں اپنی دنیوی غلطیوں کا نتیجہ بھگتنا پڑتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دوسری دنیا میں ہم گناہوں کی سزا سے محض اس لیے بچ جائیں گے کہ یسوع مسیح علیہ السلام ان کا کفارہ دے چکے ہیں۔

دوسری بات جس سے مجھے سخت وحشت ہونے لگی وہ پیدائشی گناہگار ہونے کا نظریہ تھا حالانکہ عام مشاہدہ اس کے سراسر برعکس تھا۔ازلی گنہگار کا نظریہ انسانیت کی توہین کے سوا کچھ نہ تھا۔ان شبہات اور سوالات نے میرے ذہن کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔عیسائیت تضاد بیانیوں کا شاہکار تھی ۔مثال کے طور پر حضرت مسیح (علیہ السلام ) نے حکم دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ان دس احکام الٰہی پر عمل کرو، جو انہیں کوہ سینا پر عطا کیے گئے تھے۔اوران میں پہلا حکم یہ تھا۔”میں تمہارا مالک ہوں، تمہارا خدا، تم میرے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانو گے۔“ مگر عیسائی تین خداؤں کی

پرستش کرنے لگے پھر دوسرا حکم یوں شروع ہوتا ہے۔"تم اپنے لیے کوئی بت نہیں تراشو گے نہ ہی ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گے۔"لیکن یہاں مریم وعیسیٰ (علیہ السلام) کے بت بنائے گئے اور ان کی اعلانیہ پرستش کی جانے لگی۔مارٹن لوتھر نے رومن کیتھولک چرچ کے خلاف بغاوت کر کے کئی کافرانہ رسموں کو ختم کر دیا تھا۔مگر یہ مذہب کلی طور پر ان آلائشوں سے پاک نہ ہو سکا اور آج تک بہت سی کفریہ روایات پروٹسٹنٹ چرچ میں بھی موجود ہیں۔

میں نے اسلام کے بارے میں کتابیں خریدیں اور مسلم مشن لندن سے رابطہ کیا۔وہاں سے بھی کتابیں بھجوائی گئیں۔ان کتابوں نے مغربی علماء کی علمی دیانت کی قلعی کھول دی۔بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کا جو کھیل یورپ کے مصنفین رچاتے ہیں،ان پر دکھ ہوا اور حیرت بھی۔اسلام ہی عہد حاضر کے تقاضوں کے ساتھ لے کر انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے،باقی سارے مذاہب اور نظریے اپنی حیثیت کھو چکے ہیں مختصر یہ کہ مجھے میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے،مجھے سکون قلب کی دولت مل گئی اور میں مسلمان ہو گیا۔میرا دعویٰ ہے کہ اسلام ہی وہ تنہا مذہب ہے جو فکر و عمل یعنی ہر دو اعتبار سے ایک سچا مذہب ہے اور یہی وہ صراط مستقیم ہے کہ جو ہمیں بلاشک وشبہ خالق اکبر تک لے جاتا ہے۔

لیڈی بارنس جو کہ انگلستان کی رہنے والی تھیں۔اپنی داستان حیات بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہے جس کا مسلمانوں کی طرح ایمان پختہ ہو۔بس اسی چیز نے مجھے اسلام میں داخل کر دیا۔میں ایک ہوٹل کی مالکہ تھی،میرے ہوٹل میں ایک ستر سالہ مسلمان ملازم تھا اس شخص کا فرزند نہایت ہی خوبصورت نوجوان تھا۔ایک وبائی بیماری میں وہ شخص چل بسا۔مجھے بہت صدمہ ہوا،میں اس کے پاس تعزیت کے لیے گئی اسے تسلی دی اور دلی رنج وغم کا اظہار کیا اور جب میں خاموش ہو گئی تو اس نے نہایت شاکرانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا

''میم صاحبہ، یہ سب خدا کی تقدیر ہے۔خدا کی امانت تھی،خدا لے گیا،اس میں غمزدہ ہونے کی کیابات ہے۔ہمیں تو ہر حالت میں خدائے غفور کاشکریہ ادا کرنا واجب ہے۔اس شخص کا آسمان کی طرف انگلی اٹھانا میرے دل میں پیوست ہوگیا۔میں بار بار اس کے الفاظ پر غور کرتی تھی اور حیران تھی کہ اپنی اس دنیا میں اس قسم کے صابر، شاکر اور مطمئن دل بھی موجود ہیں۔اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ اس کی بہو بھی چل بسی۔اس سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس شخص کی بہو کا غم میری عقل پر چھا گیا تعزیت کے لیے میں ان کے گاؤں روانہ ہوئی۔ اس وقت جذبات وتخیلات کی ایک دنیا میرے ہمرکاب تھی۔سوچتی تھی اس تازہ مصیبت نے اس بوڑھے شخص کی کمر توڑ دی ہوگی میں انہی خیالات میں غلطاں اس کے گھر پہنچی تو وہ سر جھکائے لوگوں کے ہجوم میں بیٹھا تھا۔میں نے افسوس کا اظہار کیا، وہ میری ہمدردانہ باتیں بڑے سکون سے سنتا رہا لیکن اس کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے پھر انگلی آسمان کی طرف اٹھادی، اور کہا میم صاحبہ!خدا کی رضا میں کوئی بشر دم نہیں مار سکتا۔اسی کی شے تھی وہی لے گیا ہے،ہمیں بہرحال اس کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے۔

لیڈی لارنس کے مطابق جب تک وہ اس بوڑھے شخص کے پاس بیٹھی رہی نہ اس کے سینے سے آہ نکلی نہ آنکھ سے آنسو گرا تھوڑی دیر کے بعد میں واپس لوٹ آئی مگر سارے راستے اس بوڑھے شخص کی پختگی ایمان پر غور کرتی رہی۔یہ خیال مجھے تنگ کرتا تھا اور حیرت زدہ بھی کہ اس درجہ مصیبت میں کسی انسان کو یہ استقامت اور صبر اور شکر کی نعمت کیسے نصیب ہوسکتی ہے۔

شومئی قسمت کہ چند روز بعد اس بوڑھے شخص کا معصوم پوتا بھی وفات پا گیا۔میں بے قراری کے عالم میں اس کے گاؤں پہنچی، مجھے یقین تھا کہ وہ بوڑھا شخص صبر وقرار کھو چکا ہوگا اس کا دل و دماغ معطل ہو چکا ہوگا مگر یہ دیکھ کر خود میرے حواس جواب دینے لگے کہ وہ شخص اسی سکون کی حالت میں ہے جس کا تجربہ میں دو مرتبہ کر چکی تھی۔میں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ غم کا اظہار

کیا۔وہ سر جھکائے میری باتیں سنتا رہا،کبھی کبھی اس کے سینے سے آہوں کی صدا بھی آتی۔وہ سخت غمگین بھی تھا مگر میرے خاموش ہونے پر اس نے کمال صبر و تحمل سے جواب دیا۔

''میم صاحبہ! یہ سب خدا کی حکمت کے کھیل ہیں اس نے جو کچھ دیا تھا خود ہی واپس لے لیا ہے اس میں ہمارا تھا ہی کیا پھر ہم اپنے دل کو برا کیوں کریں۔بندے کو ہر حال میں خدا کا شکر ہی کرنا چاہیے، ہم مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ اللہ کی رضا پر صبر کریں، اس بوڑھے شخص کا یہ جواب میرے لیے قتل کا پیغام تھا۔میں نے اس مردِ ضعیف کی پختگی ایمان کے سامنے ہمیشہ کے لیے سر جھکا دیا، مجھے یقین حاصل ہوگیا کہ اس بوڑھے شخص کا اطمینان قلب مصنوعی نہیں حقیقی ہے اب وہ شخص اکیلا رہ گیا تھا، میں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔اس نے شکریہ ادا کیا اور بے تکلف میرے ساتھ ہوٹل چلا آیا۔یہاں وہ دن بھر ہوٹل میں خدمت کرتا اور رات کو خدا کی یاد میں مصروف ہو جاتا تھا۔

میں نے اس تمام عرصے میں نہایت احتیاط سے اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اس کے ہر کام میں اطمینان کا نور اور ایمان کی پختگی جلوہ گر ہے۔میرے دل میں وہ چنگاری جو ایک مدت سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی یکا یک بھڑک اٹھی، مجھے یقین ہوگیا کہ یہ بوڑھے شخص کی خوبی نہیں، بلکہ اس دینِ حق کا کمال ہے جس کا یہ پیروکار ہے۔میں نے اس وقت مسلمان ہونے کا حتمی فیصلہ کرلیا اور میں نے اس سے کہا کہ وہ کوئی ایسی عورت بلا لائے جو مجھے اسلامی تعلیم دے۔وہ ایک مسلم لڑکی کو بلا لایا۔اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان ہوں اور وہی عظیم الشان قوت ایمانی جس سے اس بوڑھے شخص کا دل سرشار تھا، اپنے سینے میں موجود پاتی ہوں۔

# ہیلتھ کارنر گڑ کے قیمتی فوائد

(حافظ محمد یٰسین)

گڑ کو انگریزی زبان میں jaggery کہا جاتا ہے۔گڑ کو گنے کے رس سے تیار کیا جاتا ہے اور آج کے جدید دور میں بھی گڑ کی تیاری کے لیے روایتی طریقے ہی استعمال کیے جاتے ہیں جو کہ انتہائی مشقت طلب اور کئی گھنٹوں پر محیط ہوتے ہیں۔تاہم جتنی محنت گڑ کی تیاری پر کی جاتی ہے اس سے زیادہ قیمتی اس سے حاصل ہونے والے فوائد ہیں۔گڑ کے قیمتی اور انمول طبی فوائد سے اکثر لوگ لاعلم ہوتے ہیں۔

Purifier Blood

گڑ میں خون صاف کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اس طرح جسم سے زہریلے مادوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ گڑ استعمال کر کے خون سے متعلق بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

Cure

گڑ پیٹ میں بننے والی گیس اور آنتوں کے علاج کے لیے انتہائی مفید ہے۔ہر کھانے کے بعد گڑ کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا کھانے سے آپ اپھارہ پن اور گیس سے بچ سکتے ہیں۔

Migraineand

گڑ آئرن، میگنیشم اور پوٹاشم پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ سر درد کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں۔اور اگر سر میں درد ہو بھی رہا ہو تو گڑ کی وجہ سے درد میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

Hiccupsof Ridget

ہچکیاں آنے کی صورت میں ایک چمچ پر گڑ اور تھوڑا سا ادرک رکھ کر نیم گرم پانی کے ساتھ کھانے سے آپ کا گلا صاف ہو جاتا ہے اور ہچکیاں رک جاتی ہیں۔

Hair your Beautifies

خوبصورت بالوں کے لیے گڑ، ملتانی مٹی اور دہی ملا کر سر میں لگائیں۔اس طرح آپ کے بال نرم لمبے موٹے اور چمکدار ہو جائیں گے۔

AnemlawithHelps

گڑ ایسے افراد کے لیے انتہائی فائدہ مند ہے جن میں خون کی کمی پائی جاتی ہے۔گڑ میں موجود آئرن کی بھرپور مقدار خون میں ہیموگلوبین کی سطح کو بلند کرتی ہے اور ساتھ ہی لال خلیے بھی پیدا کرتی ہے۔

Problems respirat oryfrom Relief:

گڑ نظام تنفس کے مسائل سے بچاتا ہے۔یہ جسم کے درجہ حرارت کو درست رکھتا ہے اور سی اینٹی الرجی کی خصوصیات پھیپھڑوں اور گلے کی بیماریاں لاحق ہونے سے بچاتی ہیں۔

Immunity Bossts

گڑ کا استعمال آپ کے مدافعتی نظام کو محفوظ بناتا ہے اور یوں آپ جسمانی طور پر تندرست رہتے ہیں۔گڑ میں پائے جانے والے چند معدنیات بالخصوص زنک زہریلے مادوں کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔

Energy Boosts Gur

اگر آپ کو تھکن محسوس ہو رہی ہو تو تھوڑا سا گڑ کھا لیں۔یہ آپ کی توانائی میں اضافہ کر دے گا اور وہ بھی کسی قسم کے مضر اثرات مرتب کیے بغیر۔ذیابیطس کے مریض بھی گڑ کی تھوڑی سی مقدار استعمال کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ گلوکوز کی سطح میں اضافہ نہیں کرتا

loss Weightfor Gur

گڑ وزن میں کمی لانے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔گڑ میں موجود وٹامن اور معدنیات کی بھاری مقدار انسان کے نظام ہضم کو بہترین رکھتے ہیں اور یوں انسان صحت مند رہتا ہے۔

# اسوۂ ابراھیمیؑ

(مولانا خالد سیف اللہ)

اسلام کے اصل معنی تسلیم و رضا کے ہیں، انسان اپنے آپ کو خالق کے حکم کے سامنے بچھادے، اپنی خواہشات کو اللّٰہ کی رضا جوئی کی چوکھٹ پر قربان کر دے اور یہ عقیدہ ایمان سے لے کر جان و مال اور اس سے بڑھ کر اولاد و عیال تک جائے تو یہ بندگی کا کمال اور عبدیت کی معراج ہے۔ عبدیت و بندگی کا یہ درجہ و مقام انسان کے جس گروہ کو سب سے بڑھ کر حاصل ہے، وہ حضرات انبیاء کرام ہیں جو اللّٰہ کے سب سے محبوب بندے اور انسان کیلئے اسوۂ کامل ہیں۔ ان کا ایک ایک عمل زمین پر اللّٰہ کی مرضیات کی زندہ شہادت ہے، یہ انبیاء زمین پر ہدایت کی روشنی اور مشعل راہ کا درجہ رکھتے ہیں، پھر اللّٰہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ میں بھی کسی قدر مرتبہ و مقام کا فرق رکھا ہے۔ نبوت کے سلسلۃ الذھب میں ایک نہایت عظیم اور برگزیدہ شخصیت ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ہے۔ اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے قربانی کی کوئی قسم نہیں جو ان سے چھوٹی ہو اور امتحان و آزمائش کی کوئی بھٹی نہیں جس میں ان کو تپایا نہ گیا ہو۔ انہوں نے اپنے خالق کے ساتھ وفاشعاری، عبدیت و بندگی، خدا کی محبت میں خلائق دنیا سے بے نیازی، خود سپردگی، شرک سے نفرت، دعوتِ حق اور بیت اللّٰہ کی تعمیر و تجدید کے ایسے زندہ و تابندہ نقوش خدا کی زمین پر چھوڑے کہ خود خدا کو بھی اپنے اس وفا شعار بندے کی ادائیں محبوب و مرغوب ہو گئیں اور اُمتِ محمد ﷺ کیلئے سنت ابراھیمیؑ کو تازہ رکھنے کا سامان کیا گیا۔ حج دراصل اللّٰہ کے اسی نیک بندے کی یادگار اور اللّٰہ کے سامنے تسلیم و رضا کا شعار ہے۔ کعبہ جس کی بنیادیں تک مٹ چکی تھیں، حضرت ابراہیمؑ نے اس کی تجدید فرمائی۔ آج بھی مقام ابراہیم کعبہ کے سامنے موجود ہے،

زم زم کا چشمۂ حیوان حضرت اسماعیل علیہ السّلام کیلئے نصرت الٰہی کی یاد دلاتا ہے۔ **صفا** اور **مروہ** کی سعی سے ایک بندیٔ صالحہ حضرت بی بی حاجرہؓ کی بے چینی اور بے تابی کی یاد تازہ ہوتی ہے، پھر منٰی کی قربانی اس ذبح عظیم کی یادگار ہے، جس میں ایک پیغمبر نے اپنے لختِ جگر کو اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا تھا، جمرات کی کنکریاں، عزم ابراہیمی اور وسوسۂ شیطانی سے پنجہ آزمائی کا اظہار ہے۔

یہی اسوۂ ابراہیمیؑ ہے کہ سب کچھ خدا کی خوشنودی کی چوکھٹ پر قربان ہو جائے، اپنی اور اپنوں کی خواہش دوستوں اور قرابت داروں کی خوشی، انسانی زندگی میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں کہ اللہ کا حکم اور ہوتا ہے، انسان کی خواہش کچھ اور، نفس چاہتا ہے کہ یہ حلال ہو مگر شریعت اسے حرام قرار دیتی ہے، یہی وقت ہے انسان حضرت ابراہیمؑ کے کردار کو یاد کرے۔ شادی، بیاہ کا موقع دیکھئے، نوشہ کی طرف سے خطیر رقم کا مطالبہ ہے، نوشہ کے والد کی خواہش ہے کہ کھانے کا خوب سے خوب تر اور اچھے سے اچھا انتظام رہے، نوشہ کی والدہ کی طرف سے زیورات کی طلب ہے، بھائی بہنوں کا شوق ہے کہ اچھی قسم کی گاڑی ضرور ملے، دوست احباب کہتے ہیں کہ اگر اس موقع سے بھی رقص و سرور نہ ہو تو تقریب میں کیا لطف آئے گا؟ **اللّٰہ** تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی ان سب کے خلاف ہے، شریعت اس لین دین کو رشوت قرار دیتی ہے، گانے بجانے کو منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ موقع اللہ کا شکر بجالانے کا ہے، اس کے سامنے سر جھکانے کا ہے، خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کا ہے، یہی وقت ہے کہ انسان حضرت ابراہیمؑ کے کردار کو یاد کرے کہ کیا وہ اپنے جذبات کو **اللّٰہ** کی مرضی پر قربان کرنے اور اپنے متعلقین کی خواہش کو خدا کے رسول کی خواہش کے سامنے بھینٹ چڑھانے کو تیار ہے؟

انسان کیلئے بڑے امتحان کا موقع کسب معاش کے ذرائع ہیں، ان میں حلال وحرام کا امتیاز حرص وہوس کے اس دور میں تقویٰ کی اصل کسوٹی ہے۔ حضرت امام محمدؒ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں، زہد وتقویٰ کے موضوع پر آپ نے قلم نہیں اُٹھایا؟ امام محمدؒ نے اپنی اس کتاب کا حوالہ دیا جس میں معاملات اور کسب معاش کے احکامات ہیں اور فرمایا کہ وہی زُہد تقویٰ کی کتاب ہے، یعنی معاش کے معاملہ میں اپنے آپ کو حلال کی حدود میں قائم رکھنا اور حرام سے بچائے رکھنا ہی انسان کی دُکھتی رگ ہے، اور اس میں اپنے آپ کو حکم شریعت کا پابند بنالینا اصل تقویٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات انسان کیلئے نماز روزہ کا اہتمام آسان ہوتا ہے، آدمی حسب توفیق کچھ ذکر وتسبیح بھی کر لیتا ہے، لیکن اپنے آپ کو اس نفع سے دست کش رکھنا دشوار ہوتا ہے، جس کو شریعت جائز نہ رکھتی ہو اور جس طرح آج کا سودی نظام حلال کئے ہوئے ہے۔ یہ مواقع ہیں کہ جہاں اسوۂ ابراہیمیؑ ایک صاحبِ ایمان کے سامنے آئینہ بن کر آجاتا ہے، وہ اس میں اپنے ایمان، حکم خداوندی کے سامنے تسلیم ورضا اور شریعت الٰہی کے سامنے سرافگندگی کی تصویر دیکھے اور خود اپنے آپ کو تولے کہ اس نے جانور کی قربانی کر کے علامتی طور پر خدا سے خودسپردگی کا جو وعدہ کیا تھا، کیا وہ زندگی کے ہر موڑ پر اس وعدہ کو وفا کر رہا ہے؟؟۔

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
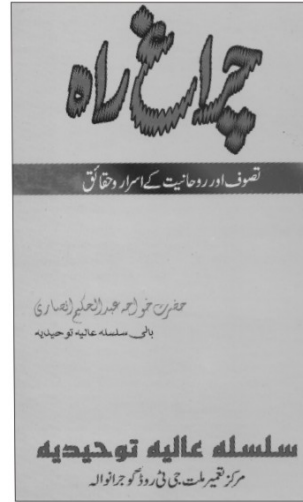
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
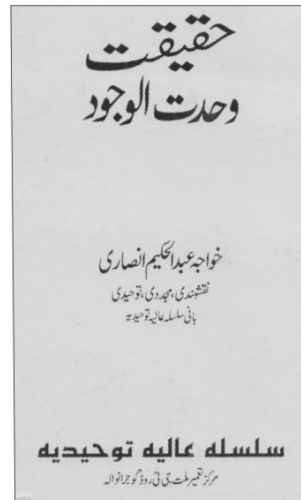
# مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔
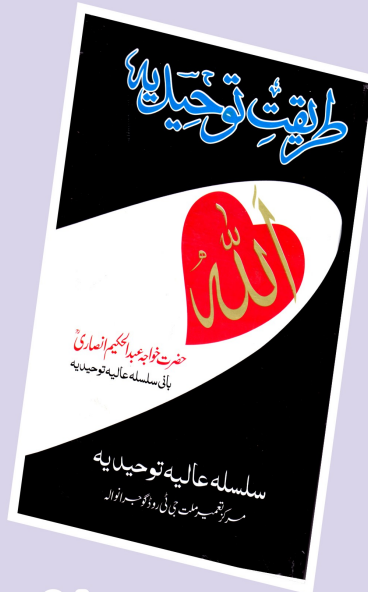
**Reg: CPL - 01**
**Website www.tauheediyah.com**